ماهنامہ
فیصل آباد
پاکستان
ملیہ
شوال المکرم ۱۴۳۳ھ بمطابق ستمبر 2012ء
www.milliafsd.com
مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

ارمغانِ مدینہ

مَست بادل سرِ کہسار نظر آتے ہیں
فضلِ باری سے گرانبار نظر آتے ہیں

یہ جو صحرا، گُل و گُلزار نظر آتے ہیں
تیری رحمت ہی کے آثار نظر آتے ہیں

رشکِ صد یُوسفِ کنعاں ہے مدینے کا نگار
دو جہاں طالبِ دیدار نظر آتے ہیں

تاج ہے ختمِ نبوّت کا سرِ اقدس پر
گِرد انوار ہی انوار نظر آتے ہیں

آج حسرت کی ہے تصویر قبا کی مسجد
سُونے سُونے در و دیوار نظر آتے ہیں

اِن سیہ فام فقیروں کو حقارت سے نہ دیکھ
مجُھ کو یہ صاحبِ اسرار نظر آتے ہیں

رِند تو رِند ہیں زمزم کی صَبُوحی پی کر
زاہدِ خُشک بھی سرشار نظر آتے ہیں

حلقِ ناموسِ محمّد پہ کٹانے والے
کچھ جو ہیں تو یہی احرار نظر آتے ہیں

جذب کامل ہو تو مِلتا ہے حضوری کا شرف
چشمِ ظاہر سے بھی سرکارؐ نظر آتے ہیں

بختِ بیدار مبارک ہو اُنھیں، جن کو نفیسؔ
خواب میں سیّدِ ابرارؐ نظر آتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

شوال المکرم ۱۴۳۳ھ جلد نمبر 8
بمطابق
ستمبر 2012ء شمارہ نمبر 10

بیاد
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض
حضرت سید نفیس الحسینیؒ
رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر
نائب مدیر
فی شمارہ 25 روپے — پاکستان میں سالانہ 300 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
ماہنامہ ملیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
041-8711569
0321-6611910

ناشر...... حبیب الرحمٰن لدھیانوی مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد
Decl No. 3483-85

كلمة الحبيب

لدھیانویت کا چرچا!

چند کُھلی کُھلی باتیں

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

گزشتہ کافی عرصہ سے ایک ہی قسم کے موضوعات پر لکھتے لکھتے طبیعت اُکتا سی گئی ہے، ہمارے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا اخیر ابھی قریب قریب کہیں نظر نہیں آ رہا، ہمارے حکمران و سیاستدان اُسی ڈگر پر چل رہے ہیں، اس پر لکھتے لکھتے ذہن پر مایوسی سی طاری ہو رہی ہے، اس لئے فی الحال اس قسم کے بور موضوعات کو چھوڑ کر کسی دوسرے موضوع پر لکھنے کو جی چاہا۔

ستمبر کا مہینہ بانیٔ احرار، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا مہینہ ہے، ۲ستمبر ۱۹۵۶ء کو دہلی میں ان کی وفات ہوئی، اور شاہی مسجد دہلی کے ساتھ ہی قبرستان میں آسودہ خاک ہوگئے۔ اس مناسبت سے ایک اچھوتا خیال آیا کہ کیوں نہ اپنے آبائی شہر لدھیانہ کو موضوع بحث بنایا جائے، جس کے متعلق ہمارے بعض قارئین ور مشفقین کا اصرار ہے۔ جب سے ''ماہنامہ ملیہ'' کی اشاعت شروع ہوئی ہے، اس میں خاندان علماء لدھیانہ کا تذکرہ بھی آتا ہے، اس پر اکثر اہل علم متعجب ہیں، کیونکہ یہ ان لوگوں کے لئے ایک نئی چیز ہے، اس لئے کہ تاریخ میں اس شہر کو مؤرخین نے نظر انداز کر دیا جس کی وجہ سے اس پر لکھے گئے مضامین پڑھنے والوں کے لئے تعجب ہوتا ہے۔ بلکہ ایک دفعہ تو ہماری ایک کرم فرما یہ فرمانے لگے کہ آپ کا رسالہ پڑھ کر دل یہ چاہتا ہے کہ ''کاش میں بھی لدھیانہ میں پیدا ہوا ہوتا''۔ یہ بات اس بے چارے کی مخصوص ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔ نیز ان لوگوں کے لئے سب سے بڑا تعجب یہ ہے کہ آجکل اخبارات، رسائل، اور کتابوں میں لفظ لدھیانوی کا استعمال کثرت سے آنے لگا ہے، جب کہ اس سے پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔

ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ لوگ اپنے نام کے ساتھ لدھیانوی لکھتے ہوئے ڈرتے

تھے،اور بڑے بڑے لکھاریوں کے ہاتھوں میں لدھیانہ کے متعلق لکھتے ہوئے رعشہ طاری ہوجاتا تھا۔اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس شہر کے ساتھ ایک ایسی شخصیت کا تعلق تھا جو کہ قیام پاکستان کے خلاف تھی ،اور جب کوئی اپنے نام کے ساتھ لدھیانوی لکھتا تھا تو اس کے گرد پاکستان کی ایجنسیوں کا گھیرا تنگ ہوجاتا تھا۔وہ شخصیت بانیٔ احرار، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی ہے۔رئیس الاحرارؒ کا خاندان پاکستان میں ہمیشہ ایجنسیوں کے عتاب کا شکار رہا ہے،رئیس الاحرارؒ کا خاندان ہی اپنے ساتھ لفظ لدھیانوی لکھا کرتا تھا۔اور آج جبکہ ایجنسیوں کی پکڑ میں کمی آ گئی ہے اور خاندان علماء لدھیانہ کے علمی، سیاسی، اصلاحی کارنامے کھل کر لوگوں کے سامنے آنے لگ گئے ہیں تو ایسے لوگوں نے بھی اپنے نام کے ساتھ لدھیانوی لکھنا شروع کر دیا ہے جنہوں نے لدھیانہ کے ہونے کے باوجود ایسی جسارت نہیں کی تھی ۔اس کی وجہ سے ہمارے لئے مشکل یہ پیش آ رہی ہے کہ لوگ ہر لدھیانوی کو ہمارے ہی خاندان کا فرد سمجھنے لگ گئے ہیں۔فیصل آباد میں مولوی عبدالرشید صاحب رہتے ہیں جو کہ انصاری برادری سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک ماہنامہ ''نور علیٰ نور'' نکالتے ہیں،ابھی کچھ عرصہ قبل انہوں نے بھی اپنے نام کے ساتھ لدھیانوی لکھنا شروع کر دیا ہے،اس سے پہلے انہوں نے اپنے نام کے ساتھ یہ لفظ نہیں لکھا تھا،انہوں نے اپنے رسالہ میں کہیں یہ سرخی لگا دی ''مرزا غلام احمد قادیانی پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ علماء لدھیانہ نے دیا تھا''ساتھ ہی لکھ دیا عبدالرشید انصاری لدھیانوی۔مولوی صاحب نے تو سرخی کے طور پر یہ عبارت لکھی تھی ،مگر کئی لوگ اس کا مطلب کچھ اور سمجھے۔اس پر ایک صاحب نے مجھے فون کیا اور پوچھا کیا آپ لوگ بھی انصاری برادری سے تعلق رکھتے ہیں؟ چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ ہمارے ہی خاندان نے دیا تھا،اس لئے وہ صاحب مولوی انصاری صاحب کی اس عبارت سے سمجھے کہ شاید ہمارے خاندان کا تعلق بھی انصاری برادری سے ہے۔

اسی طرح ہمارے ایک عزیز نے مولانا عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانویؒ کی کتاب ''در حدیث دیگراں'' اپنے نام کے اضافے سے شائع کی،تو اس میں اس نے انہی مولوی انصاری صاحب کے رسالہ ''ماہنامہ نور علیٰ نور'' کا اندرونی ٹائٹل شائع کر دیا۔اس پر بھی بعض لوگوں کو یہی اشتباہ ہوا۔جبکہ ہمارا انصاری برادری سے دور کا بھی واسطہ نہیں ،ہم تو ان مہاجرین میں سے ہیں جن کے بزرگ محمد بن قاسم

کی فوج کے ساتھ عرب سے ہندوستان میں فاتح کے طور پر داخل ہوئے تھے۔عرض یہ ہے کہ لدھیانوی ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ اس کا تعلق ہمارے ہی خاندان سے ہو،لدھیانہ میں تو ہندو سکھ بھی رہتے ہیں تو کیا ان کو بھی ہم میں سے شمار کیا جائے گا۔

برصغیر میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی ذات گرامی کو کون نہیں جانتا۔کیا اپنے نام کے ساتھ بخاری لکھنے والا ہر شخص امیر شریعت کا رشتہ دار کہلائے گا؟۔نیز اگر کوئی بخاری ہے تو کیا اس کا بخاری ہونا سید ہونے کی بھی دلیل ہے؟،امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے سید ہونے میں کسی بھی شک وشبہ کی بات نہیں اس لئے کہ ان کا نسب نامہ محفوظ ہے۔میرے ایک دوست محمد محسن تھے جو کہ فیصل آباد میں مدینہ ٹاؤن کے ایریا میں رہتے تھے،ان کا ۲۰۱۰ء میں انتقال ہو گیا،وہ ملک برادری سے تعلق رکھتے تھے،اور اپنے نام کے ساتھ بخاری لکھا کرتے تھے،میں نے ان سے ایک دن پوچھا کہ آپ ملک برادری سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو سید لکھتے ہیں،انہوں نے کہا کہ ایسا نہیں ہے،ہم ملک ہیں ملک ہی رہیں گے،میں نے کہا کہ آپ اپنے نام کے ساتھ بخاری لکھتے ہیں،تو انہوں نے کہا کہ کیا بخارا میں اور کوئی برادری نہیں رہتی تھی۔میں تو کہا کرتا ہوں کہ بخاری شریف کے مصنف امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ بذات خود سید نہیں تھے۔اسی طرح سے کسی کا اپنے نام کے ساتھ لدھیانوی لکھ دینا یا کہہ دینا اس بات کی علامت نہیں کہ وہ بھی ہمارے خاندان سے ہے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سے اپنے تعلق کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے"میں بلّھے شاہ ہوں اور حبیب الرحمٰن عنایت ارائیں ہے"(یاد رہے کہ عنایت ارائیں بلّھے شاہ کے پیر تھے)۔

مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ جو کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر بھی تھے اور انہیں شہید کر دیا گیا تھا،لدھیانہ کے ایک سرحدی قصبہ عیسیٰ پور کے رہنے والے تھے اور مدرسہ انوریہ لدھیانہ میں پڑھتے رہے،میرے والد مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی کے شاگرد بھی تھے،اللہ نے ان سے ختم نبوت کے سلسلہ میں تحریری طور پر بڑا کام لیا،وہ اپنے نام کے ساتھ لدھیانوی لکھا کرتے تھے۔کئی دفع کچھ مخلص حضرات ہم سے پوچھ چکے ہیں کہ ان کا آپ کے خاندان سے کیا تعلق ہے تو جواب میں ان کو یہی عرض کرنا پڑتا ہے کہ ہمارا خاندان ایسا خوش قسمت کہاں کہ ان جیسے نابغہ روزگار بزرگ کا بوجھ

سنبھال سکے۔

اسی طرح بعض کل عدم مذہبی تنظیموں کے ذمہ داران اپنے نام کے ساتھ لدھیانوی لکھ رہے ہیں، اس پر بعض اوقات حکومتی ایجنسیوں کے لوگ ہمارے پاس پوچھ گچھ کے لئے آجاتے ہیں، ان سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ساتھ ان کا کوئی رشتہ نہیں، ہمارے خاندان کی انگریز سے جنگ تھی جو اس کے جانے کے بعد ختم ہوگئی ہے۔

پہلے یہ ہوتا تھا کہ جو لوگ خاص لدھیانہ شہر کے ہوتے تھے وہ اپنے نام کے ساتھ لدھیانوی لکھا کرتے تھے، اور جو لوگ لدھیانہ کے مضافات کے ہوتے تھے وہ لدھیانہ کی تحصیل کا نام لکھتے تھے۔ مثلاً رائے کوٹ، یہ لدھیانہ کے مضافات میں ہے تو یہاں کے رہنے والے اپنے نام کے ساتھ رائے کوٹی لکھا کرتے تھے لدھیانوی نہیں۔ میرے نانا حضرت مولانا محمد انوریؒ جو کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے خاص شاگرد تھے، جالندھر کے ایک گاؤں ''اوگی'' کے رہنے والے تھے، پرانے لوگ انہیں مولانا محمد انوری ''اوگی'' والے کہتے تھے۔ تقسیم ہند سے کچھ عرصہ پہلے وہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے مشورے سے اوگی ضلع جالندھر سے لدھیانہ کی تحصیل رائے کوٹ میں تشریف لے آئے وہاں انہوں نے طویل عرصہ قیام کیا تو لوگ انہی مولانا محمد انوری کو ''اوگی'' والے کہنے کی بجائے رائے کوٹی کہنے لگ گئے، مگر لدھیانوی کسی نے نہیں کہا اور نہ ہی مولانا محمد انوریؒ نے اپنے نام کے ساتھ کبھی لدھیانوی لکھا۔ اسی طرح لدھیانہ کی ایک تحصیل جگرانواں ہے، وہاں کے باشندے بھی ہجرت کے بعد اپنے آپ کو جگرانوی لکھتے ہیں لدھیانوی نہیں۔ اسی طرح ایک علاقہ سلیم پور ہے، وہاں کے مہاجر اپنے آپ کو سلم پوری لکھتے ہیں۔

لدھیانویت کیا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جو کہ اکثر حضرات ہم سے پوچھتے ہیں۔ یہ سوال بھی مشکل ہے اور اس کا جواب بھی مشکلات پیدا کرسکتا ہے، مگر میری کوشش ہوگی کی اس کے جواب میں مشکلات کم سے کم کردی جائیں۔

پہلے لدھیانہ کی وجہ تسمیہ سمجھ لی جائے۔ یہ شہر ہندوستان کے ایک مسلمان بادشاہ ابراہیم لودھی نے آباد کیا تھا، اس کا نام لودھی آنہ رکھا گیا، بعد میں لودھیانہ اور پھر لدھیانہ ہوگیا۔ اس شہر کی شہرت اس شہر کے بانی ابراہیم لودھی کے نام کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کی وجہ شہرت خاندانِ علماء لدھیانہ ہے

۔خاندان علماء لدھیانہ کے ایک مشہور بزرگ حضرت مولانا عبدالقادر محدث لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اس خاندان کی وجہ شہرت ہوئے۔ حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ ایک بڑے متبحّر عالم، پاک باز، پاک طینت، عارف باللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے خاندان سے براہ راست سند حدیث حاصل کی تھی۔ حضرت مولانا سید احمد بریلوی شہیدؒ کے ہم سبق ساتھیوں میں سے تھے۔ لدھیانہ کے ایک قصبہ ''ولی آباد'' جو کہ بعد میں بگڑ کر (بلیہ وال کے نام سے مشہور ہوا) میں خدمت دین میں مصروف ہوگئے۔ اسی دوران تحریک سید احمد شہیدؒ شروع ہوئی، اگرچہ بذات خود اس میں شریک نہیں ہوئے مگر اس تحریک کی مالی طور پر مدد کرتے رہے، اس سلسلہ میں سید احمد شہیدؒ کی اہلیہ کے خطوط بھی ان کو آتے رہے۔

اسی دور میں افغانستان کے دو حکمران خاندان (۱) احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زمان الملک اور شجاع الملک (۲) امیر دوست محمد خان، یکے بعد دیگرے لدھیانہ آئے اور مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے۔ اس کے متعلق کچھ اختصاراً ذکر کردینا مناسب ہے۔

''۱۸۳۶ء میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زمان الملک امیر کابل اور شاہ شجاع الملک اپنے وزیر فتح علی خاں سے شکست کھا کر انگریزی افواج کی مدد سے اپنے خاندان کے ساتھ لدھیانہ میں مقیم ہوئے۔ یہ خاندان پانچ سو نفری پر مشتمل تھا حکومت انگریزی کی طرف سے اس خاندان کی پچیس لاکھ روپے ماہانہ پینشن مقرر ہوئی، فتح علی خان نے شاہ زمان الملک کو آنکھوں سے معذور کردیا تھا۔ سلطنت کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد شاہ زمان کی پوری توجہ درویشانہ زندگی کی طرف ہوگئی۔ شاہ زمان الملک کو لدھیانہ پہنچ کر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا پتہ چلا، چنانچہ وہ چند خادموں کو لے کر موضع بلیہ وال (جو لدھیانہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے) میں تشریف لے گئے اور مولانا شاہ عبدالقادرؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، شہر واپس ہونے سے پہلے شاہ زمان الملک نے بصدر ادب و احترام شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ لدھیانہ کے تمام لوگوں کی اور خود میری یہ آرزو ہے کہ آپ لدھیانہ شہر میں قیام فرمائیں تا کہ لوگ آپ کے فیض علمی اور فیض روحانی سے فائدہ اٹھائیں۔ شاہ زمان الملک نے ایسے عاجزانہ طریقہ سے درخواست کی جو منظور کرلی گئی۔

لدھیانہ پہنچنے کے بعد حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ نے مسلمانوں کے غریب ترین محلّہ

موچپورہ میں ایک کچا مکان اور کچی مسجد چھپر ڈال کر بنائی (جو آج بھی مسجد دومنزلی کے نام سے میں موجود ہے) مسجد میں مؤذن کی خدمات شاہ زمان الملک بذات خود سرانجام دیتے تھے۔ جبکہ شاہ زمان الملک اور شاہ شجاع الملک کے خاندان کے ساتھ پٹھانوں کی فوج کا کچھ حصہ بھی تھا، وزرائے حکومت بھی تھے، کمپنی کی حکومت انہیں انگریزی افواج کی مدد سے دوبارہ افغانستان کی کھوئی ہوئی حکومت کو واپس دلانے کی پالیسی پر کام کر رہی تھی، اسی بنا پر شاہ زمان الملک اور شاہ شجاع الملک کے لدھیانہ میں وہی ٹھاٹ باٹھ تھے جو بادشاہوں کے ہوتے ہیں، روزانہ قصرِ شاہی میں دربار ہوتا تھا، شاہ زمان الملک اور شاہ شجاع الملک تخت پر بیٹھ کر آنے جانے والوں سے شاہی آداب کے ساتھ ملاقات کرتے جو آتا دست بستہ شاہی دربانوں کے ساتھ داخل ہوتا اپنی عرض ومعروض کر کے دست بستہ شاہی دربانوں کے ساتھ واپس ہوتا حتٰی کہ پنجاب کے انگریز گورنر بھی جب کبھی لدھیانہ آ کر شاہ زمان اور شجاع الملک سے ملا تو اسے بھی پورے شاہی آداب ادا کرنے پڑتے تھے۔

امیر دوست محمد خاں والی کابل کی گرفتاری اور لدھیانہ میں آمد

امیر دوست محمد خاں نے شاہ زمان الملک کو شکست دینے کے بعد تختِ کابل پر بحیثیت بادشاہ کے قبضہ کر لیا تھا، امیر دوست محمد خاں کا رجحان چونکہ زارِ روس کی طرف تھا اس لئے انگریز اسے ہٹا کر شاہ شجاع الملک اور شاہ زمان الملک کے خاندان کو دوبارہ تخت کابل پر بٹھانہ چاہتے تھے، چنانچہ ۱۸۴۰ء کے شروع میں شاہ شجاع الملک انگریز فوج لے کر کابل پر حملہ آور ہوا اس جنگ میں امیر دوست محمد خاں انگریز فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور شاہ شجاع دوباہ تخت کابل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا، امیر دوست محمد خاں گرفتاری کے زمانے میں دریائے ستلج کے کنارے ٹھہرے تو انہیں معلوم ہوا کہ لدھیانہ میں ایک بہت بڑے بزرگ اور ولی کامل رہتے ہیں،

امیر دوست محمد خاں نے حضرت امام العارفین مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں نیازمندی کے لئے پیغام بھیجا اور دوسرے دن خود ان کی مسجد دومنزلی میں حاضر ہوا، دوران گفتگو میں حضرت امام العارفین نے امیر دوست محمد خاں سے فرمایا امیر صاحب آپ فکر نہ کریں شاہ شجاع الملک سلطنت کابل کو چلا نہ سکے گا دوباہ آپ کو ہی سلطنت کابل کی بادشاہی حاصل ہوگی اور جلد ہی شاہ شجاع الملک قتل کر دیا جائے گا۔

امیر دوست محمد خاں کی کابل کو واپسی اور بیعت

۱۸۴۱ء میں امیر دوست محمد خاں کے لڑکے اکبر خاں نے انگریزی فوج اور شاہ شجاع کو شکست دی، اس لڑائی میں شاہ شجاع الملک بھی مارا گیا، سولہ ہزار انگریزی فوج میں سے صرف ایک فرد واحد ڈاکٹر برون بچ کر قندھار کے راستہ ہندوستان پہنچا، اس واقعہ سے انگریزی حکومت کے ہوش اڑ گئے مجبوراً امیر دوست محمد خاں سے کلکتہ میں صلح کی اور انہیں بادشاہِ افغانستان تسلیم کر کے کلکتہ سے واپس افغانستان بڑی عزت وشان کے ساتھ روانہ کیا، امیر دوست محمد خاں واپسی میں لدھیانہ اترے اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمات میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور کابل چلنے کے لئے بے حد اصرار کیا، مگر مولانا نے فرمایا ''امیر صاحب فقیر بادشاہوں کی حضور میں جاتے ہوئے اچھے نہیں لگتے آپ اطمینان سے حکومت کیجئے اور اسلام کے احکام پر عمل کیجئے لوگوں کے ساتھ انصاف کیجئے ظلم وفساد سے اپنے آپ کو بچایئے'' امیر صاحب یہ پند ونصائح سن کر کابل کی طرف روانہ ہو گئے۔ (بحوالہ رئیس الاحرار)

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا جب طبل بجا تو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں انگریز کے خلاف جنگ شروع ہوگئی۔ کچھ مجاہدین تو اپنے اپنے علاقے، مثلاً نانوتہ، کیرانہ، گنگوہ، شاملی وغیرہ تک محدود رہے۔ اور کچھ مجاہدین آزادی انگریز سے مقابلے کے لئے اپنے اپنے علاقوں سے فوجوں کی کمان کرتے ہوئے دہلی پہنچنا شروع ہو گئے۔ ان میں جنرل بخت خان بریلی سے، مولانا سرفراز گورکھ پور سے دہلی آئے۔ اور پنجاب اور سرحد کی فوجوں کی مشترکہ کمان کرتے ہوئے علماء لدھیانہ کے سرخیل مولانا عبدالقادر لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ اپنے چار فرزندوں (مولانا سیف الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد لدھیانوی، مولانا عبدالعزیز لدھیانوی، مولانا عبداللہ لدھیانوی) کے ساتھ دہلی پہنچے۔ مولانا عبدالقادر لدھیانوی کی زیر کمان فوجوں کی تفصیل مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب ''۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی'' میں لکھی ہے۔ مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ نے دہلی پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک فتویٰ فرضیت جہاد مرتب کر کے اس پر علماء کے دستخط کروائے۔ بدقسمتی سے یہ جنگ آزادی ناکام ہو گئی، چنانچہ ان حضرات کو روپوش ہونا پڑا۔ انگریز نے ان لوگوں کی گرفتاری پر ایک لاکھ روپے دینے کا اعلان کیا، مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی۔

مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کے سب سے بڑے فرزند مولانا سیف الرحمٰن لدھیانویؒ کو افغانستان امیر دوست محمد خاں سے فوجی امداد کے لئے بھیج دیا گیا۔رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اس کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں۔مولانا سیف الرحمٰن جو سب سے بڑے بیٹے تھے ۱۸۵۷ء کے قومی انقلاب کے بعد اپنے پھوپھی زاد بھائی مولانا اسماعیل صاحب و مولانا فضل الدین صاحب لاہوری جو کہ حکیم محمد حسن صاحب قرشی پرنسپل طیبہ کالج لاہور کے والد تھے کیساتھ کابل پہنچ گئے ،مولانا اسماعیل صاحب اور مولانا فضل الدین صاحب واپس آ گئے مگر مولانا سیف الرحمٰن صاحب کو امیر دوست خاں نے ان کو بڑے تکریم و عزت سے اپنے پاس رکھا اور پھر انہیں کچھ جاگیر اور ایک اچھا عہدہ دے کر ایک علاقے میں بھیج دیا۔۱۹۱۳ء تک ان کے خطوط بلخ سے لدھیانہ آتے رہے انہوں نے وہاں شادی بھی کی اور دو بچے ان کے یہاں پیدا ہوئے۔لدھیانہ سے قومی افواج کی دہلی کی طرف روانگی کے وقت مولانا سیف الرحمٰنؒ کو متفقہ طور پر قومی افواج نے اپنا کمانڈر بنایا تھا مولانا سیف الرحمٰنؒ کی شجاعت اور ذہانت کے اب تک قصے ہمارے خاندان میں مشہور ہیں۔(بحوالہ رئیس الاحرار صفحہ ۶۳)

۱۸۶۱ء میں انگریز نے عام معافی کا اعلان کر دیا،جس پر یہ حضرات روپوشی ختم کر کے لدھیانہ چلے آئے،مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کا راستے میں انتقال ہوگیا۔لدھیانہ میں مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کے فرزندوں نے ۱۸۶۱ء میں ایک ''مدرسہ اللہ والا'' کے نام سے قائم کیا،جس میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ،حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ شارح ملاں حسن،اور امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات نے بھی تعلیم حاصل کی۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' میں در پردہ نبوت کا دعویٰ کیا تو اسی خاندان علماء لدھیانہ نے سب سے پہلے بلاتوقف و تأمل اس پر کفر کا فتویٰ جاری کیا۔اس کی تفصیل قسط وار ماہنامہ ملیہ میں آ رہی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی اس جھوٹی نبوت کی تبلیغ کا سلسلہ افغانستان تک بھی پہنچایا ،چنانچہ کچھ گنے چنے لوگ اس کے اس فریب میں آ گئے اور انہوں نے وہاں پر قایانیت کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ انگریز کے لئے جاسوسی بھی شروع کر دی۔چنانچہ ان پر مقدمہ چلایا گیا تو مرزا غلام احمد قادیانی کے مسئلہ پر علماء کو بھی دعوت دی گئی ان علماء میں مولانا سیف الرحمٰن لدھیانویؒ اور ان کے صاحبزادے

مولانا محمد اسحٰقؒ بھی تھے انہوں نے دلائل کے ساتھ مرزا قادیانی کے دعوؤں کا رَدّ کیا اور ساتھ یہ بھی بتلایا کہ میرے بھائی مولانا محمد لدھیانویؒ مولانا عبدالعزیزؒ مولانا محمد عبداللہؒ وغیرہ نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ دے رکھا ہے اور ساتھ مرتد کی سزا کا بھی حکم سنایا، اس وقت افغانستان کے حکمران امیر عبدالرحمٰن پھر ان کے جانشین امیر حبیب اللہ خان تھے جو کہ امیر دوست محمد خان کے پوتے اور پڑپوتے تھے، انہیں علمائے لدھیانہ کی علمی فقاہت کا علم تھا اور انہیں علماء لدھیانہ سے عقیدت بھی تھی، چنانچہ انہوں نے ان قادیانیوں کو ارتداد اور جاسوسی کے جرم میں سزائے موت دے دی گئی۔

مرزا قادیانی کا احتجاجی خط اور والئی افغانستان کا جواب

جس وقت مرزا غلام احمد قادیانی کو معلوم ہوا کہ والئی افغانستان کے حکم سے میرے ماننے والوں کو قتل کیا جا رہا ہے تو اس نے والئی افغانستان کو ایک احتجاجی خط لکھا جس کے جواب میں والئی افغانستان نے صرف ایک جملہ لکھا ہے جو فارسی میں تھا وہ یہ کہ:

ایں جا بیا (یعنی اس جگہ آ وٗ)

جب یہ جواب مرزا غلام احمد قادیانی کو پہنچا تو اس نے خاموشی اختیار کر لی، مرزا قادیانی کو اس جواب کے معنی بخوبی معلوم ہو گئے تھے کہ اگر میں افغانستان گیا تو میرا حال بھی میرے مبلغین جیسا ہو گا یعنی مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے افغانستان میں بھی علماء لدھیانہ کے فتویٰ کی برکت کو ظاہر کر فرما دیا۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ افغانستان کے ساتھ خاندان علماء لدھیانہ کا تعلق امیر دوست محمد خان کی بیعت سے لے کر نسل در نسل اب تک قائم رہا، اس کی آخری کڑی حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

تیسری خصوصیت انڈین نیشنل کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت کے جواز کا فتوی تھا، جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کا سیاسی رُخ متعین کیا۔ انگریز نے اپنے جبر وتشدد کی بنا پر ہندوستان کے مسلمانوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ وہ مسلمان جنہوں نے اپنی قوم سے غداری کر کے انگریز کے لئے مخبریاں کی تھیں، انہیں تو جاگیروں اور دیگر انعامات سے نوازا تھا، مگر وہ مسلمان جو کہ آزدی پسند تھے وہ ابھی تک زیر عتاب تھے۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔ ہندوستان کی سیاست

میں ایک نئی لہر پیدا ہوگئی۔کانگریس کے سرگرم حامی مسلمانوں میں مسٹر طیب جی، علی محمد بھیم جی، رحمت اللہ سیانی تھے۔

سرسید احمد خان (جو کہ انگریز کا انعام یافتہ نمائندہ تھا) نے اس کے خلاف فتویٰ دیا کہ کانگریس میں مسلمانوں کا شامل ہونا جائز نہیں۔اس دور میں سرسید کی مخالفت کرنا آسان نہ تھا کیونکہ سرسید احمد خان نے علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی بنا کر مسلمانوں کو انگریز کا تابع فرمان بنانے کا پروگرام بنا لیا تھا، اس لئے وہ اپنے آپ کو مسلمانوں پر اجارہ دار سمجھتا تھا۔جونہی اس جماعت کا قیام ہوا تو ۱۸۸۵ء میں سرا کلینڈ کالون کے حکم وارشاد پر سرسید احمد نے کانگریس کے خلاف تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔اس مذہبی اور سیاسی مخالفانہ پروپیگنڈے کو انگریزوں نے ہوا دی، ہندوستان میں جگہ جگہ اس کے چرچے ہونے لگے۔

انڈین نیشنل کانگریس کے بانی مسلمان راہنماؤں کو اس وقت کوئی ایسا مفتی یا عالم نہیں ملتا تھا جو کہ سرسید سے ٹکرا جائے۔سرسید سے ٹکرا اصل میں انگریز سے ٹکرانا تھا۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزدی کے موقع پر فرضیت جہاد کا فتویٰ دینے والے مفتیاں میں سے اکثر انتقال کر چکے تھے ، کچھ ہجرت کر گئے تھے اور باقی جو بچے تھے انہوں نے اپنے ۱۸۵۷ء کے اس فتوے سے رجوع کر لیا تھا۔(اس کی تفصیل مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے اپنے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' میں بیان کی ہے)۔ایک طبقہ علماء کا ایسا تھا جو کہ ۱۸۵۷ء کے فتویٰ فرضیت جہاد پر قائم تھا، وہ صرف اور صرف علماء لدھیانہ کا خاندان تھا۔چنانچہ تلاش بسیار کے بعد کانگریس کے بانی ارکان میں سے جناب طیب جی نے محمد علی بھیم جی کو علماء لدھیانہ کی خدمت میں کانگریس کے حق میں فتویٰ لینے کے لئے بھیجا۔محمد علی بھیم جی بمبئی سے چل کر ۱۸۸۸ء میں لدھیانہ پہنچے۔لدھیانہ پہنچ کر محمد علی بھیم جی نے مجاہدین اسلام حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ، حضرت مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ اور حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ سے مسلمانوں کے لئے کانگریس میں شمولیت کے جواز پر ان معنوں میں سوال کیا کہ ''ایک جماعت قومی مسمی بہ ''نیشنل کانگریس'' جو ہندو اور مسلمان وغیرہ سکنائے ہند کے واسطے رفع تکالیف وجلب منافع دنیاوی چند سال سے قائم ہوئی ہے اور اس کا اصل اصول یہ ہے کہ بحث انہیں اُمور میں ہو جو کل جماعت ہائے ہند پر مؤثر ہوں اور ایسے امر کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملت یا مذہب کو مضر ہو یا خلاف سرکار ہو۔تو ایسی جماعت میں شریک ہونا

درست ہے یا نہیں؟''۔

جواب میں خاندان علماء لدھیانہ نے مسلمانوں کے لئے کانگریس میں شمولیت کے جواز کا فتویٰ دیدیا۔اس سے ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے سیاسی کام کے لئے راہ کُھل گئی۔علماء لدھیانہ کے اس فتویٰ کے خلاف سر سید پارٹی نے دھوکہ سے عبارت بنا کر دار العلوم دیو بند کے سرپرست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بھیجا۔حضرت گنگوہیؒ نے علماء لدھیانہ کے فتوے کے خلاف فتویٰ دیدیا۔ بلکہ یہاں تک لکھ دیا کہ جس نے یہ فتویٰ دیا ہے وہ فاسق ہے۔جب علماء لدھیانہ نے حضرت گنگوہیؒ سے رابطہ کیا تو حضرت گنگوہیؒ کو اصل حالات معلوم ہوئے ،تو حضرت گنگوہیؒ نے نہ صرف معذرت نامہ لکھا بلکہ علماء لدھیانہ کے کانگریس میں شمولیت کے فتویٰ کی حمایت میں فتویٰ بھی جاری فرمایا۔چنانچہ ہندوستان کے مختلف الخیال پانچ سو علماء جس میں بریلوی مکتب فکر کے بانی مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم بھی شامل ہیں نے بھی علماء لدھیانہ کے فتویٰ کے حق میں کانگریس میں شمولیت کے جواز کا فتویٰ دیا۔

ہندوستان کے تمام مشہور مؤرخین ڈاکٹر تاراچند، مسٹر ساورکر، پنڈت سندر لال،خورشید مصطفیٰ صاحب رضوی مرحوم،مسٹر خلیق نظامی مرحوم،مولانا غلام رسول مہر مرحوم،مولانا سید محمد میاںؒ نے اپنی تاریخی تصانیف میں علماء لدھیانہ کی ان تمام انقلابی، مذہبی، علمی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔(اس کی تفصیل کتاب ''رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور ہندوستان کی جنگ آزادی میں پڑھی جاسکتی ہے)

جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ لدھیانہ بذات خود مشہور نہیں تھا بلکہ اس کی مشہوری خاندان علماء لدھیانہ کی مرہون منت تھی، ہندوستان کے مؤرخین نے لکھا ہے کہ لدھیانہ کی وجہ شہرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا خاندان ہے،ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ لدھیانہ کی وجہ شہرت صرف مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی ذات ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کون تھے اور کیا تھے،اس کے متعلق غیر ہی نہیں بلکہ اپنے ہی مؤرخین نے بھی تاریخ میں بد دیانتی کی ہے۔، ہماری نسل کو نہیں بتایا گیا کہ وہ کون تھے،اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ تقسیم ہند کے خلاف تھے اور پاکستان کی بجائے انہوں نے ہندوستان میں رہنا قبول کرلیا تھا۔مؤرخین نے چن چن کران کی خدمات کو تاریخ سے نکال دیا، یا اپنی مرضی کے افراد کے کھاتے میں ڈال دیا۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مجلس احرار اسلام ہند کے بانیوں میں سے تھے، ایک طویل عرصہ تک اس کے صدر رہے۔ قادیانیوں کے خلاف سب سے پہلی تحریک انہوں ہی نے چلائی، انہوں نے بحیثیت جماعت ان سے ٹکر لی۔ اس پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ لکھتے ہیں ''فتنۂ مرزائیت کو اوّلاً اسی خاندان نے بھانپا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل وفساد سے علمی طور پر ملک کو آگاہ کیا جس سے لاکھوں انسان گمراہی کے اس جال سے بچ گئے حتیٰ، کہ اس سلسلہ کی عملی تکمیل بھی بالآخر اسی خاندان کے ہاتھوں ہوئی۔ مجلس احرار نے امیر الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ کی امارت وقیادت میں اس فتنہ کا عملی طور پر مقابلہ کیا اور اس سے زبردست ٹکر لی جو ظاہر میں قادیانیت سے ٹکر تھی مگر بلحاظ حقیقت یہ ٹکر برطانیہ کی طاقتور حکومت سے تھی''۔

جب تک جماعت کے صدر رہے پورے ہندوستان میں جماعت کا سورج نصف النہار پر رہا، اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر سیاسی داؤ پیچ کو اس طرح استعمال کیا کہ مخالف بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور جب مجلس احرار کی صدارت چھوڑی اور مسلسل پانچ سال کے لئے جیل میں نظر بند کردیئے گئے تو جماعت کا شیرازہ بکھر گیا، اور ایسا بکھرا کہ پھر سنبھالا نہ گیا۔

ہندوستان میں جب دیو بندی، بریلوی اور اہل حدیث کی مسلکی تفریق نہیں ہوئی تھی خاندان علماء لدھیانہ اس وقت سے ہندوستان میں نہایت خاموشی سے دینی، علمی سیاسی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اور اس راستے میں جو بھی دشواری پیش آئی اس کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ کبھی مصلحت یا مصالحت سے کام نہیں چلایا، جو کچھ کیا بابانگ دہل کیا اور پھر اس پر پچھتاوے کا اظہار نہیں کیا۔

تقسیم ہند کے بعد پھر اسی خاندان، خصوصاً رئیس الاحرار اور ان کے گھرانے کے ساتھ پاکستان میں کیا ہوا؟ یہ بھی ایک عجیب داستان ہے۔ انہیں مجبوراً عارضی طور پر پاکستان آنا پڑا تو اپنوں نے بھی منہ موڑ لیا۔ لوگ ان سے ملاقات کرنے سے کترانے لگے، صرف اس ڈر سے کہ کہیں ان کو پناہ دینے کے جرم میں دھر نہ لئے جائیں۔ پاکستان میں صرف شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے جنہوں نے رئیس الاحرارؒ کو اپنے پاس رہائش کے لئے جگہ عنایت فرمائی، مگر کچھ تو مخالفین اور کچھ اپنوں نے سازش کی، جس پر رئیس الاحرارؒ نے شیخ التفسیر پر بوجھ بننا گوارا نہ کیا اور اپنے ایک مخلص کارکن محمد حسن چغتائی کے پاس بہاولپور چلے گئے، چونکہ اس وقت تک بہاولپور ایک آزاد ریاست تھی اس لئے وہاں پر طبعی اطمینان تھا، پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے ہندوستان چلے گئے۔

رئیس الاحرار کے ایک بڑے ہی قریبی ساتھی اور مجلس احرار اسلام کے بڑے لیڈر جو کہ تقسیم

ہند سے قبل ہی پاکستان کے شہر ملتان منتقل ہو گئے تھے۔ رئیس الاحرارؒ ایک خیر سگالی وفد کی قیادت کرتے ہوئے پاکستان تشریف لائے، تو ملتان بھی جانا ہوا تو رئیس الاحرارؒ ان سے ملنے کے لئے ان کی قیام گاہ پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ بزرگ اس ڈر سے کہ کہیں ان سے ملاقات نہ ہو جائے ملتان سے جھنگ تشریف لے گئے تھے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ رئیس الاحرارؒ کی مخالفت کرنے پر لوگوں کی بگڑے کام ہونے لگے۔ تقسیم ہند کے کچھ عرصہ کے بعد ہندوستان کی طرف سے ایک خیر سگالی وفد کی قیادت کرتے ہوئے رئیس الاحرارؒ پاکستان تشریف لائے۔ اس وفد کی تشکیل بھی رئیس الاحرارؒ نے دی تھی، اس وفد میں مولانا سلیمان ندویؒ اور اس وقت کے مشرقی پنجاب کے وزیر اعلیٰ پی این سچر بھی شامل تھے، مولانا سلیمان ندویؒ واپس ہندوستان نہیں گئے پاکستان میں ہی رہ گئے تھے، ملکی وفد کے کسی رکن کا وفد کے ساتھ واپس نہ جانا اس ملک کی بدنامی کا باعث ہوتا ہے، اس پر وزیر اعظم ہند جواہر لال نہرو کے سامنے رئیس الاحرارؒ کو بڑی سبکی کا سامنا کرنا پڑا۔

جس طرح اور بزرگ حضرات ہندوستان پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان میں آئے تھے اسی طرح حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانئ خیر المدارس جالندھر سے ہجرت کر کے پاکستان ملتان میں پناہ گزین ہو گئے، یہاں پر بھی انہوں نے مدرسہ خیر المدارس کی داغ بیل ڈالی۔ ابتداء میں حسین آگاہی کے مین روڈ کے ساتھ ایک گلی میں جگہ ملی، یہ جگہ ناکافی تھی، چونگی نمبر چودہ کے قریب ایک متروکہ مندر کی وسیع عمارت خالی تھی ''جہاں اب مدرسہ ہے'' اس کے لئے کوشش شروع کی گئی کہ یہ جگہ مل جائے، مگر مخالفین نے مشہور کر دیا کہ مولانا خیر محمد جالندھری احراری اور کانگریسیوں کے ساتھی ہیں، نیز ان کا مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی سے گہرا تعلق ہے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کا تعلق علماء کے اس طبقے سے تھا جس نے تحریک آزادئ ہند میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ وہ سیاسیات سے الگ ہو کر تعلیم دین کی خدمت کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ مگر ان کے تعلقات ان تمام علماء کے ساتھ بھی تھے جو کہ آزادئ ہند کے لئے کردار ادا کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر المدارس جالندھر کے سالانہ جلسے میں تمام علماء تشریف لاتے تھے۔ ان میں وہ بھی علماء ہوتے جو کہ تقسیم ہند یعنی قیام پاکستان کے حامی تھی اور وہ علماء بھی ہوتے جو کہ قیام پاکستان کے مخالف تھے۔ اس کے باوجود جلسہ میں سیاسی رنگ نہ آتا، تمام بحث دینی امور تک محدود رہتی۔

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ

دونوں بچپن کے ساتھی، ہم مکتب اور ایک ہی استاد کے شاگرد تھے۔ابتدائی کتابیں ایک ہی جگہ پر پڑھیں، مگر بڑی کتابوں کے وقت رئیس الاحرارؒ دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور حضرت مولانا خیر محمدؒ بریلی کے کسی مدرسہ میں چلے گئے۔ دونوں اپنے اپنے وقت پر اپنے اپنے مدرسہ سے فارغ ہو گئے۔رئیس الاحرارؒ سیاست کی پُر خار وادی میں چلے گئے جہاں پر گولیاں، جیلیں، لاٹھیاں، جرمانے اور موت کا تعاقب، قدم قدم پر موجود تھا، اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ نے ان بکھیڑوں سے بہت دور رِہ کر جالندھر میں خیر المدارس کے نام سے مدرسہ بنالیا۔ دونوں حضرات کا کام عمل کے اعتبار سے بُعد المشر قین تھا، مگر پھر بھی آپس میں تعلق مضبوط رہا۔ رئیس الاحرارؒ خیر لمدارس جالندھر کے سالانہ جلسے میں ضرور تشرف لاتے مگر بیان نہیں فرماتے تھے، مولانا خیر محمد صاحبؒ کے اصرار کے باوجود فرماتے ''بھائی خیر محمد میری تقریر تیرے مدرسے کے لئے نقصادہ ہوگی، میں نہیں چاہتا کہ تو میری وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا ہو''۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ رئیس الاحرارؒ کی مخالفت خیر المدارس کی کام آ گئی۔

رئیس الاحرارؒ کا وفد واگہہ کی طرف سے پاکستان آیا۔ یہ وفد لاہور سے بذریعہ ٹرین کراچی جارہا تھا۔ حضرت مولانا خیر محمدؒ کو اس بات کا علم ہوا۔ چنانچہ ملتان ریلوے اسٹیشن پر حضرت مولانا خیر محمدؒ نے رئیس الاحرارؒ سے ملاقات کی، حضرت مولانا خیر محمدؒ کے ساتھ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ بھی تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے رئیس الاحرارؒ کو اپنی مشکل بتائی کہ آپکا ساتھی ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے بڑی مشکلات پیدا ہورہی ہیں۔ رئیس الاحرارؒ نے فرمایا کہ اس کا حل تو بڑا آسان ہے۔ مولانا خیر محمدؒ نے پوچھا کہ وہ کیا؟ رئیس الاحرارؒ نے فرمایا کہ آپ ایک اشتہار شائع کر کے بازاروں میں لگادیں کہ ''دشمن پاکستان مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی، احراری کانگریسی سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے''۔ حضرت مولانا خیر محمدؒ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ رئیس الاحرارؒ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ اگر میرے ساتھ تعلق ختم کرنے کے اعلان بلکہ مجھے گالی دینے سے ایک دینی مدرسہ قائم ہوجائے تو میرے لئے نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔ حضرت مولانا خیر محمدؒ صاحب یہ کام کرنے کے لئے تیار نہ تھے، مولانا محمد علی جالندھریؒ چونکہ ایک سیاسی آدمی تھے، انہوں نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا، مگر مولانا محمد علی جالندھریؒ نے رئیس الاحرارؒ سے کہا کہ ہم آپ کا نام نہیں لکھتے مطلقاً احراری یا کانگریسی کے الفاظ شائع کر دیتے ہیں۔ رئیس الاحرارؒ نے فرمایا کہ مطلقاً احراری یا کانگریسی لکھنے سے آپ لوگوں کو یہ نقصان ہوگا کہ مجلس احرار اور جمعیۃ علماء ہند کا وہ طبقہ جو کہ اس وقت پاکستان میں ہے وہ آپ کا مخالف ہوجائے گا۔ اس سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے

ساتھیوں سے دوری ہو جائے گی، جن سے مدد کی آپ کو اس وقت بڑی ضرورت ہے۔ میرا کیا ہے میں تو پاکستان سے جا چکا ہوں اور ہندوستان چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں، مجھے اگر کوئی گالی بھی دے گا تو میری ذات تک محدود رہے گی، اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری نے ایک اشتہار اس عنوان سے شائع کیا ''مخالف پاکستان مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی احراری، کانگریسی سے میرا کوئی تعلق نہیں، منجانب مولوی خیر محمد جالندھری، مہتمم خیر المدارس، جالندھر حال مقیم، ملتان۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ خیر المدارس ملتان کے قیام میں جو رکاوٹیں تھیں وہ دور ہوتی چلی گئیں۔ (یہ اشتہار میں نے بذات خود دیکھا ہے مگر یہ سیاسی چال کی نذر ہو گیا)۔

تقسیم ہند کے بعد یہ مشکلات رئیس الاحرارؒ کی ذات تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ ان کی اولاد اور خاندان کے افراد پر بھی ان کا اثر ہوا۔ تقسیم ہند کے بعد میرے والد مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کی ایک مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دینے شروع کئے تو ان کو اس مسجد سے صرف اس لئے نکال دیا گیا کہ وہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے بیٹے تھے۔ انہوں نے فیصل آباد پاکستان میں متروکہ وقف املاک کی جگہ پر ایک مدرسہ قائم کیا، تمام پاکستان کے مدارس کو متروکہ املاک کی جگہ الاٹ کر دی گئی مگر ان کے مدرسہ کو ابھی تک نام نہیں کی گئی۔

ہمارے خاندان کے ایک بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ تھے، وہ جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر بھی رہے۔ سیاسی بصیرت ان میں کمال درجہ کی تھی اور سیاسی داؤ پیچ کو خوب سمجھتے تھے۔ جب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہور کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت کے لئے انتخاب کا وقت آیا تو مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ کا نام پیش کیا گیا، اس پر یار لوگوں نے کہا کہ اگر ان لدھیانوی صاحب کو صدر بنا دیا گیا تو ہمارے لئے حکومتی سطح پر مشکلات بڑھ جائیں گی۔

اب ایک اور تازہ تاریخی بددیانتی ملاحظہ فرمائی جائے، میرے والد مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ مولانا محمد علی جالندھریؒ کے دور میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، بلکہ مولانا محمد علی جالندھری کی خواہش تھی کہ مولانا انیس الرحمٰن اس جماعت کی ذمہ داریوں کو سنبھالیں، مگر میرے والد عذر کر دیتے تھے، آجکل مولانا محمد علی جالندھریؒ کی ایک سوانح عمری مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے تحریر فرمائی ہے، اس میں مجلس شوریٰ کی فہرست میں سے مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ کا نام نکال دیا گیا ہے۔ سمجھ دار کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔ داستان بڑی لمبی باقی پھر سہی۔ میری اس تمام خامہ فرسائی کا لُب لُباب یہ ہے کہ لدھیانوی کہلانا آسان ہے، مگر لدھیانویت دکھانا بڑا مشکل کام ہے۔

مکاتیبِ رئیس الاحرارؒ سے

تقسیم ہند کے موضوع پر

قسط 2

رئیس الاحرارؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ میں خط وکتابت

گذشتہ شمارے میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقسیم ہند کے متعلق خط وکتابت کا پہلا حصہ شائع کیا گیا تھا، جس میں رئیس الاحرارؒ کی طرف سے تقسیم ہند پر خدشات ظاہر کئے گئے تھے، اب اس شمارے میں اس خط وکتابت کا آخری حصہ شائع کیا جارہا ہے، جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا جواب ہے اور ساتھ ہی رئیس الاحرارؒ کی طرف سے جواب الجواب ہے۔

جواب از شیخ الاسلامؒ بنام رئیس الاحرارؒ

برادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔

مدت ہوئی خط اور رسالہ ''نصرۃ الابرار'' مل چکا ہے۔ میں اپنے احوال وعوارض کی وجہ سے جلد جواب لکھنے کا موقع نہ پاسکا۔ اصولی بحث سے آپ کو اولاً میری تحریرات پر شرعاً یا عقلاً تنقید کرکے یہ ثابت کرنا تھا کہ جن مقدمات پر وہ مبنی ہیں وہ صحیح نہیں۔ محض زوردار اور مبالغہ آمیز الفاظ میں اپنے جذبات یا تخمینیات کا اظہار میرے مسلک کے ابطال کے لئے کافی نہیں ہوسکتا۔ جن خوفناک عواقب دینیہ پر آپ متنبہ فرمارہے ہیں میں بحمد اللہ ان کے امکان سے غافل نہیں، لیکن اگر خدانکردہ وہ وقوع میں آگئے تو اس کا سبب صرف وہ لوگ ہوں گے جو آنکھ بند کرکے ہندوؤں کی کانگریسی سیاست کے پیچھے چل پڑے اور اپنی قوم کے بہترین احساسات اور صحیح نصب العین کو نہایت لاپرواہی سے بے سوچے سمجھے ٹھکرادیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مستقبل میں آپ لوگوں کی مہلک غلطیوں کا خمیازہ حاملین دین کو بھگتنا پڑا تو میری ذات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے گی۔ تاہم اگر میری بہت ہی ناتواں اور ضعیف مگر بروقت کوشش سے ان بُرے نتائج کی شکست میں کچھ کمی ہوگئی تو میں اسے بھی سب کے حق میں ایک

طرح کی خوش قسمتی سمجھوں گا۔کاش آپ سب حضرات دینداری اور سرفروشی کے سچے جذبے کے ساتھ اس سیاسی ادارے میں داخل ہوکر جس کا دروازہ ہر مدعی اسلام کے لئے ہر وقت کھلا ہوا ہے سچائی کی طاقت اور جمہور مسلمین کی پشت پناہی سے اس پر اپنا قبضہ کر لیتے اور بھیڑ بکریوں کے گلے کو بھیڑیوں کی پاسبانی میں چھوڑ کر دوسری طرف نہ بھاگ جاتے تو اللہ کے فضل سے اس روز سیاہ کے دیکھنے کا کوئی اندیشہ نہ رہتا جس کے تصور سے آپ گھبرا رہے ہیں۔اور وقت نہیں گیا اب بھی ایسا کر سکتے ہیں۔آپ لوگوں نے اپنی قوم کا ساتھ دینے اور ان کی غلط کاریوں کی اصلاح کرنے کی بجائے کھلم کھلا ایسا رویہ اختیار کر لیا جو قوم سے بے وفائی اور احکام شرعیہ سے لاپرواہی کی طرف مشعر ہے۔

کیا ہندو اکثریت کی حکومت میں آپ ''واردھا اسکیم'' سے بہتر نصاب تعلیم بنائے جانے کی امید رکھتے ہیں۔وہ جماعت جو بے شمار سنی مسلمانوں قلیل التعداد شیعوں اور چند بزعم خود دعویٰ اسلام رکھنے والے اور کلمہ پڑھنے والے ملحدوں یا زندیقوں پر مشتمل ہوتے ہوئے مسلم قوم کے استقلال اور کلمہ اسلام کی سربلندی کے نام پر لڑ رہی ہے، کیا اس کے مقابلے میں آپ اس جماعت کا تسلط واقتدار بڑھا کر اسلام کو سربلند اور مسلمانوں کو معزز اور علماء کو موٴقر بنائیں گے، جس میں اکثریت غالباً ان افراد کی ہے جو کلمہ اسلام سے علانیہ بیزار اور حکومت الٰہیہ کے شدید ترین مخالف اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کے بدترین دشمن ہیں۔جن کی اسلام دشمنی برملا اور بکرات ومرات ظاہر ہو چکی ہے، اور اب بھی ظاہر ہو رہی ہے پھر وہاں دہریے بھی ہیں۔بلکہ ایک دہری آج کل اس پر مسٹر گاندھی کے بعد اقتدار رکھتا ہے۔اور قادیانی، شیعہ، مشرقی، مغربی کسی کے لئے اس کا دروازہ بند نہیں۔یہ ہی کمیونسٹ جن کا ذکر مسلم لیگ کے ساتھ بار بار کیا جاتا ہے کل تک اس میں سب شریک تھے درانحالیکہ اکابر علماء نے اس کے رکن اور عہدہ دار بنے رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔اور اب بھی کمیونسٹ کو وہاں سے ان کے الحاد و ارتداد کی وجہ سے خارج نہیں کیا گیا۔ورنہ جواہر لال نہرو ان سے پہلے خارج کئے جاتے جن کی مدح سرائی اب بھی سیاسی اسٹیج پر بڑے بڑے مقدسین کرتے ہیں۔

رہا علماء محدثین ومفسرین کی موجودگی میں مسٹر جناح کی قیادت کا مسئلہ تو آپ کو معلوم ہے ہم نے ان کو ابتداءً قائد نہیں بنایا، وہ اپنی دماغی قابلیت یا دوسرے تکوینی اسباب کی بنا پر مسلم اکثریت کے قائد بن گئے۔اب ان کا مقابلہ کر کے جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا، درآنحالیکہ وہ اس وقت ایک

مضبوط اصول اور صحیح نظریہ کے حامل بھی ہیں، کیسے درست ہوسکتا ہے۔ جب کہ سلطان متغلب یا فاقدا لشروط امیر اور خلیفہ کے متعلق اطاعت کی تصریحات موجود ہیں اور جب کہ اس قیادت کو خود اکابر علماء جمعیۃ ۱۹۳۷ء میں مستقل اور کلی اختیارات سپرد کر کے خوب مستحکم اور مضبوط کر چکے ہیں (دیکھو خط مطبوعہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی ۱۹۳۷ء) غالباً ان حضرات کی نظر بھی اس وقت اسی نقطہ پر مرتکز ہوگی کہ یہ عصری سیاست کے موافق ایک آئینی جنگ ہے جس سے مسٹر جناح کی قیادت میں مسلمان اچھی طرح عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔ مسٹر جناح عالم نہ سہی، خوش عقیدہ نہ سہی، محدث و مفسر نہ سہی، لیکن جو آئینی کشتی لڑی جارہی ہے اس کے داؤ پیچ سے خوب واقف ہے۔ لارڈز بسکو کے مقابلے میں ایسے گاما ہی کو آگے بڑھائیں۔ آخر حضرت اشمویل نبی کی موجودگی میں بنی اسرائیل کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے طالوت کو امیر لشکر بنایا تھا اور حضرت ابوایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے یزید بن معاویہ کی قیادت میں مدینۂ قیصر پر وہ چڑھائی کی جس کی بشارت صحیح بخاری میں آئی ہے۔ پھر میں نہیں جانتا کہ آج کسی مفسر قرآن کی موجودگی میں مسٹر جناح کو قائد بنا دینے سے کیا قیامت ٹوٹ پڑی اور جو چیز ۱۹۳۷ء میں جنت تھی ۱۹۴۵ء میں جہنم کس طرح بن گئی۔ جمعیۃ علماء اسلام نے اگر اس قیادت کی تعریف اور مسلم لیگ کی تائید کی تو کیا گناہ کیا۔ اس کی تاسیس کرنے والوں کی نیت کیا تھی اور اندرونی احوال کیا تھے اس کا مجھے کوئی علم نہیں میں تو تمام علماء اسلام کے متعلق یہی حسن ظن رکھتا ہوں کہ جس نے اپنے نزدیک جو رستہ بحالت موجودہ مسلمانوں کے لئے اصلح و انفع سمجھا، اختیار کر لیا۔ یہ رایوں کا اختلاف ہے۔ آگے اللہ سبحانہ وتعالیٰ عالم السرائر ہے۔ فحسابھم علی اللہ

مولانا ابوالکلام آزاد کے علم وادب اور ذاتی عقائد و خیالات پر میں کوئی بحث کرنا نہیں چاہتا نہ میں ان کو خود غرض سمجھتا ہوں۔ لیکن فی الحال جس لائن پر چل رہے ہیں میرے نزدیک وہ اس منزل مقصود پر پہنچانے والی نہیں جس کا نشان انہوں نے ''الہلال'' وغیرہ میں دیا تھا۔ اس کے باوجود میرے قلب میں ان کی عزت برابر موجود ہے۔

رسالہ ''نصرۃ الابرار'' میں جو کچھ لکھا ہے آج بھی اس کا مخالف کون ہے۔ دنیوی معاملات میں ہندو کے ساتھ نفس اشتراک عمل کو مطلقاً کون ناجائز کہتا ہے۔ سر سید احمد خاں اب کہاں ہیں جو ان کے ذاتی عقائد کا مسئلہ زیر بحث لایا جائے۔ تمام علی گڑھ والوں کو یک قلم ان کے جملہ عقائد میں ہم نوا

رکھنا محض تحکم ہے۔ کیا آپ کی یا دوسرے اکابر علماء کے نزدیک تمام علی گڑھ والے کافر و مرتد ہیں۔ ایسے مسائل میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ خلط مبحث نہ کیجئے۔ کفر و ارتداد کی بحث اسلام کے نازک ترین مباحث میں سے ہے۔ آپ کے آزاد پالیمنٹری بورڈ نے جن لوگوں کو امیدوار منتخب کیا ہے کیا ان میں کوئی علیگ یا انگریزی تعلیم یافتہ نہیں اور اس میں فیصدی کتنے علماء دین لئے گئے ہیں۔ یہ بورڈ تو کانگریس کا نہ تھا۔ خالص مسلمانوں کا تھا۔ جو پچاس فیصدی علماء کا مطالبہ آپ مسلم لیگ سے کر رہے ہیں، وہاں کیوں نہ منوایا گیا، بلکہ بعض ایسے کینڈیڈیٹ کھڑے کئے گئے جن کو مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں۔ ہاں تو ''نصرۃ الابرار'' کا ذکر تھا تو جو الفاظ آپ نے میرے نقل کئے ہیں میں اب بھی ان کو صحیح سمجھتا ہوں لیکن آج کی کانگریس اٹھاون برس پہلے کی کانگریس نہیں۔ نہ آج کے عام حالات وہ ہیں جو اس وقت تھے۔ اگر آج کل کے حالات اس وقت ہوتے تو کیا ''نصرۃ الابرار'' صفحہ ۹ پر پہلے سوال کا جواب آپ کے اور علماء لدھیانہ کے نزدیک یہ ہی ہوتا کہ 'سرکار انگلشیہ بہتر ہے کیونکہ سرکار دولتمدار مثل روس کے متعصب نہیں اور سلطان روم (جو ایک بڑا بادشاہ ذی اقتدار اہل اسلام خادم حرمین شریفین اور محافظ بیت المقدس (کربلائے معلیٰ ہے) اور سرکار دولت مدار میں برخلاف روس کے اتحاد قائم چلا آتا ہے۔ اگر بالفرض والتقدیر سرکاری دولت مداری مملکت روس سے بہتر نہ سمجھی جائے تب بھی رعایائے اہل اسلام کو شرعاً حرام ہے کہ سرکار کے برخلاف روس یا سلطان روم وغیرہ سے در پردہ رابطہ اتحاد پیدا کرے۔

غور کیجئے کہ شرکت کانگریس کے متعلق جس سوال کا جواب علماء نے دیا ہے اس سوال میں یہ الفاظ بھی ہیں ''اور ان کا (یعنی کانگریس والوں کا) اصل اصول یہ ہے کہ بحث ان ہی امور میں ہو جو کل جماعت ہائے ہند پر مؤثر ہوں اور ایسے امور کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملت یا مذہب کو مضر ہو۔ یا خلاف سرکار ہو اس جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں'' کیا آج بھی شرکت کانگریس کے متعلق آپ کے سوال کے یہ ہی الفاظ ہو سکتے ہیں۔ آپ تو بڑے سیاسی کارکن ہیں اور اگلے پچھلے احوال پر نظر رکھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ۵۸ برس پہلے کے فتاویٰ موجودہ صورت حال پر منطبق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک چیز اور بھی واضح رہے کہ اس فتوے پر حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ اور بہت سے ایسے علماء کے دستخط ہیں جو یقیناً کسی سیاسی جماعت میں اس وقت کام نہیں کر رہے تھے۔ کیا آپ کے

نزدیک ان علماء کبار کو ایسے سیاسی مسائل میں فتویٰ دینے کا حق تھا۔ اگر تھا تو آج کسی مولوی کو آپ اس حق سے کیوں محروم کرتے ہیں۔ میرے بھائی اپنے کو حد سے زیادہ ذہین وفہیم اور دوسروں کو بالکل الّو نہ سمجھئے۔ کسی ایک چیز غائب کو حاضر سے بہتر سمجھ لینا ہے۔ میں جس چیز کو پورے غور وفکر کے بعد بحمد اللہ شریعت کی روشنی میں صحیح سمجھتا ہوں جب تک اس بنیادی اصول کی غلطی مجھ پر ظاہر نہ ہو زوائد سے مطمئن نہیں ہوسکتا۔ لیکن طویل خطوط کا سلسلہ قائم رکھنا نہ میری قدرت میں ہے نہ ہر ہر سطر کے جواب میں رسالہ لکھنا بحث کو ختم کرے گا۔ اس قسم کے شبہات جو نفس مسئلہ سے متعلق ہیں ، ان کے متعلق میں ایک تحریر مرتب کر رہا ہوں جو چھپ کر شائع ہو جائے گی، کیونکہ ہر ایک شخص کو فرداً فرداً جواب دینا ممکن نہیں۔ ایک آپ ہی کے خط کے ہر ہر لفظ اور سطر پر بحث کی جائے تو خاصی کتاب تیار ہو جائے۔ یہ چند سطور قلم روک کر لکھی گئیں۔ امید ہے اسے پڑھ کر قدیم تعلقات کی نسبت کوئی بُرا اثر نہ لیں گے اور اگر یک سوئی کی ساعتوں میں ٹھنڈے دماغ سے غور کریں تو کیا بعید ہے کہ موجودہ حالات کے اعتبار سے صحیح راستہ سمجھ میں آ جائے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے 'الصادق یتقلب فی یوم واحد مآۃ مرۃ و المرائی یثبت علی حالتہ واحدۃ مأ ۃ سنۃ (سچائی کا عاشق ایک دن میں سو مرتبہ بدل سکتا ہے اور ریا کار ایک ہی حالت پر سو برس جما رہتا ہے۔) والسلام

العبد، شبیر احمد عثمانی ، ۲۳ محرم ۱۳۶۵ء۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء

جواب از، رئیس الاحرارؒ بنام شیخ الاسلامؒ

حبیب روڈ۔ لدھیانہ جنوری ۱۹۴۶ء

حضرت استاذ المکرّم مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ گرامی نامہ اور ''نصرۃ الابرار'' دونوں اکٹھے موصول ہوئے۔ آپ کے گرامی نامے کو میں نے بغور پڑھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے آنے والے خطرات کو محسوس فرمالیا۔ باقی اس کی ذمہ داری کس پر ہے اور اس کا حل کیا ہے یہ آنے والا وقت بتائے گا۔

البتہ آپ کے خط میں یہ فقرہ پڑھ کر میں لرز گیا ہوں کہ ''سر سید احمد خاں اب کہاں ہیں جو ان کے ذاتی

عقائد کا مسئلہ زیر بحث لایا جائے‘‘۔

اگر آپ کے اسی نقطۂ نظر کو مان لیا جائے تو جو لوگ سر سید کے عقائد پر ہیں کیا ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے؟۔ تو پھر آج لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی اب کہاں ہے کہ اس کے ذاتی عقائد کو زیر بحث لایا جائے، اور پھر لوگ یہ بھی کہیں گے کہ اس کے ماننے والوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اس پر آپ کیا جواب دیں گے؟۔

باقی آپ نے مسلم لیگ اور جناح کے جو فضائل بیان فرمائے ہیں خدا کرے کہ صحیح ثابت ہوں، ورنہ میرا وجدان کہتا ہے اللہ کرے وہ غلط نکلے۔ ڈرتے ڈرتے عرض کر رہا ہوں کہ ’’آپ اور مسٹر جناح کی زندگی کا اختتام غیر طبعی ہوگا‘‘ خاکم بدہن۔

آپ سے عقیدت اور محبت ہے اس لئے آپ سے میرا کوئی بحث و مناظرہ نہیں چل سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی امداد فرمائے۔

چونکہ آپ کے اچانک بیان سے ایک صدمہ پہنچا تھا اس لئے اپنے جذبات و خیالات بغیر کسی نفاق کے آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ کوئی گستاخی ہو تو معافی چاہتا ہوں باوجود اس کے آپ کی رائے کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مہلک جانتا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو خط و کتابت شائع کر دی جائے۔

والسلام۔ حبیب الرحمٰن لدھیانوی

نوٹ:۔ آج کل کے حالات خود بتا رہے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں میں سے کس کے اندیشے صحیح ثابت ہوئے۔ نیز رئیس الاحرارؒ کا وجدان کتنا صحیح ثابت ہوا۔ مسٹر جناح کا انتقال بے بسی کی حالت میں ہوا۔ ان کے نام لیواؤں نے ان کے آخری وقت میں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا، یہ شریف الدین پیرزادہ کی کتاب پڑھنے سے پتہ چل جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا انتقال مخدوم حسن محمود کے گھر بہاولپور میں ہوا، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے انتقال کی خبر سن کر وہاں پہنچے تو حضرت مرحوم کے چہرے سے جب کپڑا اُٹھایا تو فوراً فرمایا کہ زہر دیا گیا ہے۔

مولانا بٹالوی کی مرزا قادیانی سے خط و کتابت

مرزا قادیانی کی طرف سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ابھی علی الاعلان نہیں کیا گیا تھا بلکہ مرزا قادیانی کا رسالہ ''فتح اسلام'' جو کہ امرتسر کے مطبع ریاض ہند میں اشاعت پذیر تھا اس کے پروف منگوا کر مولانا بٹالوی نے پڑھے۔ تو اس پر مولانا بٹالوی نے اس کو سمجھانے ارادہ کیا، چنانچہ ۳۱/ جنوری ۱۸۹۱ء کو انہوں نے مرزا قادیانی کو خط لکھا۔

لاہور ۳۱/ جنوری ۱۸۹۱ء

مکرمی جناب مرزا غلام احمد سلمہ اللہ تعالیٰ و عافاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا رسالہ فتح اسلام امرتسر میں چھپ رہا تھا کہ میں اتفاقاً امرتسر پہنچا اور میں نے اس رسالہ کے پروف مطبع ریاض ہند سے منگوا کر ان کو دیکھا اور پڑھوا کر سنا۔

اس رسالہ کے دیکھنے اور سننے کے بعد مجھے یہ سمجھ میں آیا کہ آپ نے اس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''موعود مسیح جن کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اشارۃً اور رسول خدا ﷺ نے اپنے کلام مبارک میں جو صحاح ستہ میں موجود ہے صراحۃً وعدہ دیا ہے'' وہ آپ ہی ہیں جو مسیح ابن مریم کے مثیل کہلاتے ہیں، نہ وہ مسیح ابن مریم جن کو عام اہل اسلام مسیح موعود سمجھتے ہیں۔ مسیح ابن مریم کو مسیح موعود سمجھنے میں عام اہل اسلام نے غلطی کی ہے اور دھوکہ کھایا ہے اور ان احادیث کو جو مسیح موعود کی نسبت صحاح میں وارد ہیں غور سے نہیں دیکھا۔

میں نے اپنی سمجھ کی تصدیق کے لئے پہلے مولوی عبدالکریم عرف کریم بخش سیالکوٹی

کی وساطت سے آپ سے دریافت کیا تھا کہ اپنے مسیح موعود ہونے سے آپ کی مراد کیا ہے۔ پھر مشفقی مولوی نورالدّین صاحب حکیم جموں کے ذریعہ سے یہ سوال کیا، مگر ان دونوں صاحبوں نے آج تک نہ تو آپ کی طرف سے میرے سوال کا جواب پہنچایا اور نہ خود کچھ کہا۔ اب میں بارِ سوم براہ راست آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اس دعوے سے کیا آپ کی وہی مراد ہے جو اوپر معروض ہوئی، اور آپ کے رسالے کے فقرات ذیل سے مفہوم ہوتی ہے ''شکر کے سجدات بجالاؤ کہ وہ زمانہ انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آبا گذر گئے، اور بے شمار روحیں اسی شوق میں سفر کر گئیں، وہ وقت تم نے پالیا'' (صفحہ ۱۰) ''مسیح جو آنے والا تھا یہی ہے'' (صفحہ ۱۵) ''مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا ہے تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائی، سو میں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں'' (صفحہ ۱۷) تیسرا نشان یہ ہے کہ ''وہ برگزیدہ نبی جس پر تم ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو اس پاک نبی نے اس عاجز کے بارے میں لکھا ہے جو تمہاری صحاح میں موجود ہے جس پر آج تک تم نے غور نہیں کی'' (صفحہ ۲۳) یا اس دعویٰ سے آپ کی مراد کچھ اور ہے؟ وہی مراد ہے۔ تو صرف ''ہاں'' یا ''نعم'' فرمادیں، زیادہ توضیح کی تکلیف نہ اٹھا ویں۔

اگر اس دعویٰ سے کچھ اور مراد ہے تو اس کی توضیح کریں۔ اس خط کا جواب پا کر میں اس دعویٰ کی نسبت کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، بذریعہ تحریر ہو یا بواسطہ تقریر۔ امید ہے کہ آپ جواب سے دریغ نہ فرماویں گے۔ اور اگر جواب سے آپ نے سکوت فرمایا تو اس سے بحکم ''السکوت فی معرض البیان'' یہ سمجھا جائے گا کہ اس دعویٰ سے آپ کی وہی مراد ہے جو خاکسار نے عرض کیا ہے،

اور اس پر جو کہنا ہے سو کہا جائے گا، اس کے بعد آپ کو یا آپ کے اتباع کو کوئی تأویل کرنے کا موقع نہ ملے گا، اسی غرض سے اس خط کی نقلیں بعض خاص اتباع جناب کے پاس بھیجی گئی ہیں۔ والسلام مع الاکرام

(آپ کا ناصح خیر خواہ) ابوسعید محمد حسین

مرزا قادیانی کا جواب

مخدومی اخویم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا، عاجز کی طبعیت نہایت علیل ہے۔ اخویم منشی عبدالحق صاحب کو تاکید فرماویں کہ جہاں تک جلد ممکن ہو معمولی گولیاں ارسال فرمائیں، توجہ سے کہہ دیں۔ افسوس کہ میری علالت طبع کے وقت آپ عیادت کے لئے بھی نہیں آئے۔ اور آپ کے استفسار کے جواب میں صرف ''ہاں'' کافی سمجھتا ہوں۔ والسلام

(خاکسار غلام احمد، ۵ر فروری ۱۸۹۱ء) (اشاعۃ السنۃ صفحہ ۳۵۴ تا ۳۵۶، جلد ۱۲، نمبر ۱۲)

پھر اس کے بعد دونوں فکری دوستوں میں خط و کتابت کا سلسلہ چل نکلا، یہاں تک کہ مرزا قادیانی نے مولانا بٹالوی کو ان کے لکھے ہوئے تبصرہ کے وہ الفاظ یاد دلائے جو کہ انہوں نے اس کی کتاب ''براہین احمدیہ'' پر خاندانِ علما لدھیانہ کی طرف سے فتوائے کفر کے جواب میں تحریر فرمائے تھے۔ چنانچہ مرزا قادیانی مولانا بٹالوی کے نام مؤرخہ ۲۳ر فروری ۱۸۹۱ء کے خط میں لکھتا ہے:

آں مکرّم کو معلوم ہوگا کہ درحقیقت ان رسالوں میں کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا گیا، بلکہ بلا کم و بیش یہ وہی دعویٰ ہے جس کا ''براہین احمدیہ'' میں بھی ذکر ہو چکا ہے، جس کی آں مکرّم اپنے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' میں امکانی طور پر تصدیق کر چکے ہیں۔ پھر متعجب ہوں کہ اب پھر دوسری مرتبہ آں مکرّم کو دیکھنے کی حاجت ہی کیا ہے، کیا وہی کافی نہیں جو پہلے آں مکرّم ''اشاعۃ السنۃ'' نمبر ۵ جلد ۷ میں تحریر فرما چکے ہیں۔ جبکہ اوّل سے آخر تک وہی دعویٰ، وہی مضمون، وہی بات ہے۔ تو پھر آپ جیسے محقق کی نگاہ میں نیا معلوم ہو، کس قدر تعجب ہے۔ یہ عاجز رسالہ ''ازالۃ الاوہام'' میں آں مکرّم کے ریویو کی بعض عبارتیں درج بھی کر چکا ہے۔ (اشاعۃ السنۃ نمبر ۱۲، جلد ۱۲، صفحہ ۳۶۴)

اس کے جواب میں مولانا بٹالوی نے ۱۴ر فروری ۱۸۹۱ء کو خط لکھا، جس میں فرمایا کہ

جو امکان میں ''ریویو براہین احمدیہ'' میں بیان کر چکا ہوں اس کا اب بھی قائل ہوں، مگر آپ نے اس امر ممکن سے جس کا امکان میں نے تجویز کیا تھا بڑھ کر ان رسائل میں دعویٰ کیا ہے۔ لہٰذا آپ کے لئے اس ریویو کی عبارات کافی و مفید نہ ہونگی، آپ ان

عبارات کو میرے سامنے پیش کرنے کے بغیر ان سے استشہاد کریں گے تو آپ نقصان اٹھائیں گے۔(ایضاً صفحہ ۳۶۶)

مرزا قادیانی کی طرف سے علماء کو مناظرے کا اشتہار

ایک طرف تو مولانا بٹالوی اور مرزا قادیانی میں یہ خفیہ خط و کتابت ہو رہی تھی تو دوسری طرف مرزا قادیانی نے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء کو مناظرے کا اشتہار دیدیا، جس میں خاندانِ علماء لدھیانہ کو بھی مخاطب کیا گیا۔ یہ اشتہار ۲۶/ مارچ ۱۸۹۱ء کو دیا، ملاحظہ ہو:

اشتہار

لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَة

ناظرین پر واضح ہو کہ مسیح ابن مریم کے نزول کی حقیقت جو خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر کھولی ہے۔ جس کے بارے میں کچھ تھوڑا سا رسالہ فتح اسلام اور توضیح مرام میں ذکر ہے اور رسالہ ازالہ اوہام میں مبسوط اور مفصل طور پر اس کا بیان ہے۔ ایسا ہی ملائک اور لیلۃ القدر اور معجزات مسیح کے بارے میں جو کچھ ان رسالوں میں لکھا گیا ہے۔ قبل اس کے جو علماءِ اسلام غور سے ان مباحث کو پڑھیں اور تدبر سے ان کے مطلب کو سوچیں۔ یونہی مخالفانہ خیالات خلق اللہ میں پھیلا رہے ہیں اور عوام الناس کو اپنے بے اصل وسواس سے ہلاک کرتے جاتے ہیں۔ حالانکہ رسالہ توضیح مرام کے آخر میں نصیحتاً لکھا گیا تھا کہ جب تک تینوں رسالوں کو دیکھ نہ لیں کوئی رائے ظاہر نہ کریں مگر وہ آخر تک صبر نہ کر سکے۔ کسی نے کہا کہ یہ شخص کافر ہے اور کسی نے کہا یہ شخص ضال اور مُضِلّ ہے اور کسی نے کہا کہ بیجا تاویلیں کرتا ہے اور کسی نے کہا کہ اس کو مالیخولیا ہے اور چونکہ اکثر لوگ ان میں موٹی عقل کے آدمی اور کجی سے بہ نسبت راستی کے زیادہ پیار کرنے والے ہیں اس لئے ان مولوی صاحبوں کے بیانات کا ان کے دلوں پر سخت اثر پڑا اور عوام الناس کی تو یہ پہلے ہی سے عادت ہے کہ وہ اصل حقیقت پر غور کم کرتے ہیں اور ایک خود غرض یا کوتاہ فہم مولوی کے بیان کو فیصلہ ناطق سمجھ لیتے ہیں۔ اسی ضرر رساں سیرت نے انہیں طرح طرح کے گڑھوں اور غاروں میں ڈال دیا ہے۔ لہٰذا قرین مصلحت سمجھ کر کل مخالف الرائے علماء کے مقابل

محض للہ یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے کہ اگر ان کو اس عاجز کے ان دعاوی مذکورہ بالا کے قبول کرنے میں کوئی عذر شرعی ہو یا وہ یہ خیال کرتے ہوں کہ اس عاجز کے یہ دعاوی قال اللہ اور قال الرسول کے برخلاف ہیں تو وہ ایک عام مجلس مقرر کر کے تحریری طور پر اس عاجز سے مقاصد مذکورہ بالا میں مباحثہ کرلیں تا کہ جلسہ عام میں حق ظاہر ہو جائے۔ اور کوئی فتنہ بھی پیدا نہ ہو کیونکہ مجرد زبانی بیانات میں انواع اقسام کی خرابیوں کا احتمال ہے۔ سو مناسب ہے کہ ان سب میں سے وہ مولوی صاحب جو کمالات علمی میں اوّل درجہ کے خیال کئے جائیں وہی فریق ثانی کی طرف سے اس مباحثہ کیلئے مختار مقرر ہوں اور فریق ثانی کے لوگ اپنے اپنے معلومات سے ان کو مدد دیویں۔ اور وہ (وکیل صاحب) بذریعہ تحریر ان سب دلائل کو اس عاجز کے سامنے پیش کریں۔ مگر مناسب ہے کہ اختصار اور حفظ اوقات کی غرض سے اپنے کل دلائل اوّل پرچہ میں ہی پیش کر دیں۔ اور اس عاجز کی طرف سے بھی صرف ایک پرچہ اس کے جواب میں ہوگا۔ وہی دونوں پرچے سوالات و جوابات کے حاضرین کو سنائے جائیں اور اخباروں میں چھپوا دیئے جائیں۔ اس سے حق اور باطل خود روشن ہو جائے گا اور تحریرات اور ہر دو فریق سے ہر ایک حاضر اور غائب کو خوب سوچ کے ساتھ حق کے سمجھنے اور رائے لگانے کا موقع مل جاوے گا۔ اگرچہ کتاب ازالہ اوہام چھپ رہی ہے جو پچیس جزو کے قریب ہوگی اور یہ تمام مباحثہ معہ دیگر معارف و حقائق کے اس میں کامل طور پر درج ہیں۔ مگر یہ مولوی صاحبان اس کو ہرگز نہیں دیکھیں گے تا ایسا نہ ہو کہ آنکھیں کھل جائیں اور حق کو قبول کرنا پڑے۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ ان حضرات میں سے اکثر مولوی صاحبان یہ کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کتابوں کو نہ دیکھے۔ یُرِیدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ۔ لیکن یہ اشتہار بہر حال انہیں دیکھنا پڑے گا اور عوام الناس اگرچہ بڑی بڑی کتابوں کو نہیں پڑھتے مگر اس مختصر اشتہار کے مضمون سے بے خبر نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا میں نے اتمام حجت کی نیت سے اس کو لکھا ہے اور میں با آواز بلند کہتا ہوں کہ میرے پر خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور القاء سے حق کو کھول دیا ہے اور وہ حق جو میرے پر کھولا گیا ہے وہ یہ ہے کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو چکا

ہے۔ اوراس کی روح اپنے خالہ زاد بھائی یحییٰ کی روح کے ساتھ دوسرے آسمان پر ہے۔اس زمانہ کے لئے جو روحانی طور پر مسیح آنے والا تھا جس کی خبر احادیث صحیحہ میں موجود ہے وہ میں ہوں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جو لوگوں کی نظروں میں عجب اور تحقیر سے دیکھا جاتا ہے۔اور میں کھول کر کہتا ہوں کہ میرا دعویٰ صرف مبنی بر الہام نہیں بلکہ سارا قرآن شریف اس کا مصدق ہے۔تمام احادیث صحیحہ اس کی صحت کی شاہد ہیں۔عقل خدا داد بھی اس کو مؤید ہے اگر مولوی صاحبوں کے پاس مخالفانہ طور پر شرعی دلائل موجود ہیں تو وہ عام جلسہ کر کے بطریق مذکورہ بالا مجھ سے فیصلہ کریں بے شک حق کو غلبہ ہوگا۔میں بار بار کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں۔مولوی صاحبان سراسر اپنے علم کی پردہ دری کراتے ہیں۔جبکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ دعاوی قرآن اور حدیث کے برخلاف ہے۔اے حضرات اللہ جل شانہ آپ لوگوں کے دلوں کو نور سے منور کرے۔ یہ دعاوی ہرگز قال اللہ اور قال الرسول کے برخلاف نہیں بلکہ آپ لوگوں کو سمجھ کا پھیر لگا ہوا ہے۔اگر آپ لوگ جلسہ کیلئے مقام وتاریخ مقرر کر کے ایک عام جلسہ میں مجھ سے بحث تحریری نہیں کریں گے تو آپ خدا تعالیٰ کے نزدیک اور نیز راستبازوں کی نظر میں بھی مخالف حق ٹھہریں گے اور مناسب ہے کہ جب تک میرے ساتھ بالمواجہ تحریری طور پر بحث نہ کرلیں اس وقت تک عوام الناس کو بہکانے اور مخالفانہ رائے ظاہر کرنے سے اپنا منہ بند رکھیں،اور یہی آیہ کریم لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْم سے ڈریں، ورنہ یہ حرکت حیا اور ایمان اور خدا ترسی اور منصفانہ طریق سے برخلاف سمجھی جائے گی اور واضح رہے کہ اس اشتہار کے عام طور پر وہ تمام مولوی صاحبان مخاطب ہیں جو مخالفانہ رائے ظاہر کر رہے ہیں اور خاص طور پر ان سب کے سرگروہ یعنی مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی،مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی،مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھوکے والے،مولوی شیخ عبید اللہ صاحب بتی مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی معہ برادران اور مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری۔

۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء۔المشتہر مرزا غلام احمد قادیانی

(مجموعہ اشتہارات جلد نمبر ا صفحہ ۵۵ تا ۵۷)

’’یہاں پر مولوی عبدالعزیز لدھیانوی معہ برادران سے مراد خاندانِ علمائے لدھیانہ ہیں‘‘۔
اصل میں مرزا غلام احمد قادیانی چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی شکل میں اس کے دعوائے مسیحیت کو شہرت ملے، اور لوگوں میں اس کے اس دعوے پر بحث شروع ہو جائے (سستی شہرت حاصل کرنے کا یہ ایک بہترین حربہ تھا) لازمی بات ہے کہ جب اہل علم میں کسی کے دعوے (چاہے وہ صحیح ہو یا غلط) کی بحث شروع ہو جاتی ہے تو اس کا چرچا عوام کالانعام میں بھی ہوتا ہے، اور عوام میں بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس چرچے کے اثر کو قبول بھی کر لیتے ہیں،۔ چونکہ مرزا قادیانی کی طرف سے یہ پہلا اشتہار تھا اس لئے علماء نے اسے اہمیت نہیں دی اور آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگے۔

علماء لدھیانہ کو مناظرے کا چیلنج

مرزا غلام احمد قادیانی کے اشتہار کا جب اہل علم کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو اس نے اوّل مکفرّ خاندان علماء لدھیانہ کو مقابلے کا چیلنج دیدیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس نے خاص لدھیانہ کے علماء کو اس قسم کا چیلنج دیا تھا۔ اگر چہ اس نے خاص طور پر اوّل مکفرّ خاندانِ علماء لدھیانہ کو مخاطب کیا مگر اس کے ضمن میں لدھیانہ کے اور مقامی علماء کو بھی شامل کر لیا۔ یہ اشتہار ۳ رمئی ۱۸۹۱ء کو دیا۔ اس کے متعلق مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری لکھتے ہیں۔

> الہامی صاحب نے ۳۔ مئی ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں علماءِ لدھیانہ کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ اس اشتہار میں لکھا:
>
> چونکہ اکثر یہ عاجز سنتا ہے کہ لدھیانہ کے بعض مولوی صاحبان جیسے مولوی عبداللہ صاحب، مولوی محمد صاحب، مولوی عبدالعزیز صاحب، مولوی مشتاق احمد صاحب، مولوی شاہ دین صاحب اس مسئلہ میں اس عاجز سے مخالف ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ اور آنے والا مسیح جس کی خبر دی گئی ہے درحقیقت مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ مثالی اور ظلّی طور پر مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہے۔ اور عاجز نے یہ بھی سنا ہے کہ بعض مولوی صاحبان موصوفین اکثر اوقات منبر پر کھڑے ہو کر بلند

آواز سے یہ کہتے ہیں کہ مدعی اس مسئلہ کا ہم سے بحث کرے۔ ہم بحث کے لیے طیار ہیں لیکن افسوس کہ تحریری بحث کو جس میں ہر طرح سے امن ہے قبول نہیں کرتے۔ ناچار ایک اور طریق سہل و آسان تجویز کر کے اشتہار ہذا شائع کیا جاتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم وہ طریق لکھیں پہلے اس بات کا ظاہر کرنا ضروری ہے کہ سب سے اوّل بحث کرنے کا حق مولوی عبدالعزیز صاحب کو ہے کیونکہ وہ شہر کے مفتی اور اکثر لوگوں کے پیشوا اور مقتدیٰ ہیں جو بار بار جامع مسجد میں برسر منبر اعلان بھی دے چکے ہیں کہ ہم بحث کو طیار ہیں کیوں ہم سے بحث نہیں کرتے۔ اور درحقیقت ان سے بحث کرنا نہایت ضروری بھی ہے کیونکہ خاص شہر لدھیانہ کی نظر انہی پر ہے۔ سو یہ عاجز بمقابل ان کے بحث کے لیے بغرض اظہار حق طیار ہے۔ اب ان کے مریدوں اور معاونوں کو بھی مناسب بلکہ فرض عین ہے کہ مولوی صاحب موصوف کو بحث کے لیے آمادہ کریں و۔ اور اگر کسی کمزوری کی وجہ سے وہ گریز کریں تو اس گریز سے ان کی اندرونی حالت اور علمی کمالات کا اندازہ اہل بصیرت خود ہی کر لیں گے۔ ہماری طرف سے تو مولوی صاحب موصوف کو بحالت ان کے عاجز رہ جانے کے یہ بھی اجازت ہے کہ اگر آپ بحث کا حوصلہ نہ دیکھیں تو اپنے برادر حقیقی مولوی محمد صاحب سے بحث کرنے کے لیے منت کریں۔ اور اگر وہ بھی بوجہ اپنے کسی حالت ناچاری کے جس کو وہ خوب سمجھتے ہونگے جواب دیدیں تو پھر اپنے دوسرے بھائی مولوی عبداللہ صاحب کی خدمت میں التجا لے جائیں۔ اور اگر وہ بھی نہ مانیں تو پھر بحالت لاچاری مولوی مشتاق احمد مدرس ہائی سکول کی خدمت میں دوڑیں۔ اور اگر وہ بھی صاف جواب دیں اور وقت پر کام نہ آویں تو یقین ہے کہ درجہ دوم کے مفتی صاحب یعنی مولوی شاہ دین صاحب ایسے اضطراب کی حالت میں ضرور کام آئیں گے۔ اور اگر وہ بھی گریز کر جائیں تو پھر مولوی شاہ دین صاحب اپنے استاد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں درخواست کریں اور اگر وہ بھی خاموش رہیں تو پھر گروہ اہل حدیث کے چیدہ و برگزیدہ حضرت مولوی محمد حسن صاحب رئیس اعظم لدھیانہ ہیں ان کی طرف سب کو رجوع کرنا چاہیے۔ ان کو اختیار ہوگا کہ چاہیں تو بذات خود بحث کریں اور چاہیں تو اپنی

طرف سے مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کو بحث کے لیے مقرر کر دیں
(مرزا غلام احمد لودھیانہ۔ محلّہ اقبال گنج)۔ تبلیغ رسالت جلد۲ صفحہ ۵۸۔۶۱)

اسی طرح مولانا دلاوری ایک ورجگہ مولانا دلاوری لکھتے ہیں:

۳ مئی ۱۸۹۱ء کو مرزا نے علمائے لدھیانہ کو تحریری چیلنج دیا کہ تم لوگ مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر مناظرہ کرلو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے ۱۳۰۱ھ میں فتویٰ دیا تھا کہ مرزا غلام احمد مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہمارا قطعی اور حتمی فیصلہ ہے کہ جولوگ مرزا غلام احمد کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں وہ شرعاً کافر ہیں۔ پس تمہیں لازم ہے کہ پہلے ہم سے اس مسئلہ پر مناظرہ کرو کہ تم دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو۔ اگر تم نے اپنا اسلام ثابت کر دکھایا تو پھر حیات وممات مسیح السلام پر گفتگو ہوگی۔ جب علمائے لدھیانہ کی طرف سے اس مضمون کا اشتہار شائع ہوا تو مرزا کے ہوش اڑ گئے کیونکہ اس کے لئے اپنا مسلمان ثابت کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے حکیم نورالدین کو لاہور سے مشورہ کے لئے طلب کیا۔ (بحوالہ آئمہ تلبیس جلد نمبر۲ صفحہ۳۲)

چنانچہ اس کی تفصیل میں مولانا محمد لدھیانوی فتاویٰ قادریہ میں لکھتے ہیں کہ:

اس اثناء میں قادیانی نے اپنے عیسیٰ موعود ہونے کا دعویٰ کر کے اشتہار جاری کئے اوران اشتہاروں میں بعض اہل علم کا نام لے کر مخاطب کر کے لکھا کہ اگر آپ کو شک ہو تو میرے ساتھ مباحثہ کرلو۔ دو اشتہاروں میں ہمارا نام بھی درج کر دیا ہم نے اس کے جواب میں یہ اشتہار جاری کیا۔ (فتاویٰ قادریہ صفحہ ۱۹۔۲۰)

علماءِ لدھیانہ کی طرف سے جوابی اشتہار

علماءِ لدھیانہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے اشتہار کے جواب میں اپنا اشتہار مناظرہ کو قبول کرنے کا چند شرائط کے ساتھ جاری کیا وہ حسب ذیل ہے۔

الحق یغلو ولا یغلی

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آنکس تُف زند ریشش بسوزد

بعد از حمد صلوٰۃ! جملہ اہل اسلام کو معلوم ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی اشتہارات اس مضمون کے شائع کر رہا ہے کہ عیسٰی موعود میں ہوں۔ مولوی محمد، مولوی عبد اللہ، مولوی عبد العزیز، وغیرہ جو میرے برخلاف ہیں۔ میرے سے جلسہ عام میں رو برو ایک افسر یورپین کے بر مکان احسن شاہ وغیرہ ایک روز بعد عید الفطر کے گفتگو کر لیں۔

چونکہ ہم نے فتویٰ ۱۳۰۱ھ میں مرزا مذکور کو دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کا جاری کر دیا تھا اور رسالہ ''نصرت الابرار اور فیوضات مکی'' میں بحوالہ فتویٰ حرمین تحریر کر چکے ہیں کہ یہ شخص اور ہم عقیدہ اس کے اہل اسلام میں داخل نہیں۔ اور اب بھی ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ یہ شخص اور جو لوگ اس کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں شرعاً کافر ہیں۔ پس مرزا قادیانی کو لازم ہے کہ اوّل سرکار سے اجازت طلب کر لے۔ کیونکہ حکام شہر ہذا نے چند سال سے یہ حکم نافذ کر رکھا ہے کہ کوئی شخص اجنبی اس شہر میں آ کر بلا اجازت سرکار کوئی جلسہ مذہبی منعقد نہ کرے۔ ورنہ سرکاری مجرم قرار دیا جائے گا۔ بعد اجازت حاصل کرنے کے مکان شہزادہ نادر صاحب یا مکان خواجہ احسن شاہ صاحب یا کسی اور رئیس کے مکان کو واسطے گفتگو مقرر کر کے ہم کو مرزا صاحب اور صاحب مکان تحریری طور پر اطلاع دیں کہ ہمارے مکان پر مرزا سے آپ آ کر بحث کر لیں۔ چونکہ ہمارے نزدیک جب مرزا قادیانی اسلام سے خارج ہے تو مرزا کو اول اپنا اسلام ثابت کرنا پڑے گا۔ بعد میں عیسٰی موعود ہونے میں کلام شروع ہوگی۔ اگر مرزا قادیانی بسبب کم لیاقتی کے تنہا مناظرہ نہ کر سکے تو اپنے متبعین کو ہمراہ لے کر میدان گفتگو میں آوے۔ اگر اس نہج پر بھی وہ مطمئن نہ ہو۔ تو ان اہل علموں کو جو مرزا قادیانی کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں جانتے ہمراہ لے کر مکان گفتگو پر حاضر ہو کر اپنے دلائل پیش کرے۔ چونکہ ہر ایک شخص بموجب زعم اپنے کے اپنے آپ کو حق پر جانتا ہے۔ لہٰذا واسطے تمیز حق اور باطل کے کوئی منصف مقرر کرنا امر ضروری ہے۔ لہٰذا پہلے مبادی بحث جلسہ اولیٰ میں فریقین طے کر کے کوئی منصف مقرر کر

کے مقاصد میں بحث شروع کریں۔ اگر مرزا قادیانی کو اس بحث کرنے میں دشواری معلوم ہو تو ہم ایک طریق بحث کا جو نہایت آسان بتاتے ہیں اس کو اختیار کرلے جس میں ان کا ایک حبہ بھی خرچ نہ ہو۔ وہ امر یہ ہے کہ مرزا قایانی ہمارے ساتھ بلا خرچ مکہ معظّمہ کو چلے یا سلطان روم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مدعا کو ظاہر کرے تاکہ اہل حق کو تاجِ نصرت سے سرفرازی حاصل ہو اور مبطل کی گردن میں طوق لعنت کا نمودار ہو اور آئندہ کوئی ایسے دعاوے باطلہ کے دعوی کرنے میں جرأت نہ کرے۔

اگر مرزا صاحب کو مباحثہ بلا پابندی شرائط کے منظور ہو تو عید یا جمعہ کے مجمع میں حاضر ہو کر مستفید ہوں۔ اور اگر امورات مذکورہ بالا سے کسی امر کی تعمیل کرنے میں پہلو تہی کریں تو ان کو لازم ہے کہ آئندہ ایسے دعاوی سے اپنا تائب ہونا ظاہر کریں۔

خلاصہ مطلب ہماری تحریرات قدیمہ اور جدیدہ کا یہی ہے کہ یہ شخص مرتد ہے اور اہل اسلام کو اس شخص سے ارتباط رکھنا حرام ہے جیسا ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ اسی طرح جو لوگ اس پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں اور ان کے نکاح باقی نہیں رہے جو چاہے ان کی عورتوں سے نکاح کرلے۔ کتب فقہ میں یہ مسائل باب مرتد میں تصریح کے ساتھ موجود ہیں۔ اگرچہ عوام کالانعام بعض مسائل کو سن کر کہتے ہیں کہ یہ مولوی ضدی ہیں لیکن جب خدا تعالی اپنے فضل و کرم سے اس مسئلہ کی صداقت ظاہر کر دیتا ہے تو پھر اسی منہ سے کہتے ہیں کہ ان مولویوں کا مسئلہ ٹھیک نکلا۔ دیکھو محمود شاہ کا جو ہم نے حال اشتہار میں لکھا تھا خدا تعالیٰ نے اس کے مددگاروں کے ہاتھ سے صداقت ہمارے اشتہار کی ظاہر کی۔ اسی طرح جیسا ہم نے ۱۳۰۱ھ میں مرزا قادیانی کو کافر اور مرتد قرار دیا تھا خدا تعالی نے اس کی صداقت بھی محمد حسین لاہوری وغیرہ کی تحریرات سے ظاہر کر دی جو اس کے اوّل درجہ کے مددگار تھے اور علماء مکّہ معظّمہ نے بھی ہمارے فتویٰ کو صحیح قرار دیا۔ اب سکنائے شہر ہذا کو جو اس پر عقیدہ رکھتے ہیں یا کچھ ان کے دل میں اس کے کافر ہونے کا شبہ ہے، مرزا قادیانی کو ہمراہ لے کر ہمارے پاس آویں، اور سرکاری انتظام اگر مرزا نہ کر سکے تو اس کے مرید جو اس پر دل و جان سے فدا ہیں اس امر کا بندوبست کرلیں

ورنہ سکنائے شہر سے چندہ کرلیں۔ اگر صرف لقلقہ ہی غرض ہے تو مثل برادر اپنے کے چماروں کے پیغمبر بن کر اپنا کام چلاویں۔ یعنی جیسا مرزا امام الدین قوم جاروب کش میں امام مہدی بن بیٹھا ہے تو مرزا غلام احمد چماروں کے عیسٰی بن کر اپنا مطلب حاصل کریں۔

چونکہ مناظرہ کرنے میں ہر دو بحث کنندوں کا علم میں برابر ہونا امر ضروری ہے لہٰذا کتب مروجہ درسی میں فریقین کا امتحان لیا جاوے گا اور عربی زبان میں ہر دو صاحبوں کو تحریر معہ ترجمہ کرنی پڑے گی، تاکہ عوام کالانعام جو مرزا کو بڑا عالم جانتے ہیں ظاہر ہو جاوے کہ مرزا کو سوا مرزائیت کے یعنی انشاء پردازی کے جو اس قوم کی جبلی خاصیت ہے کچھ علمی لیاقت نہیں۔ خصوصًا علم دینی سے تو بالکل نابلد ہے ورنہ اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' کو قبل از تمام معرض بیع میں نہ لاتا، کیونکہ بیع شے معدوم کے بدون شرائط سلم جو فیما تحن فیہ میں مفقود ہیں شرعاً ہرگز درست نہیں۔

پس جو شخص مرزا مذکور کو مجدّد یا عیسٰی موعود اعتقاد کرتے ہیں پرلے درجے کے نادان ہیں خدا تعالیٰ اس گروہ کو ورطہ ضلالت سے نکال کر راہ ہدایت پر لائے یا ان کے شر سے عوام کو محفوظ رکھے۔

اگر کسی طرح کا حیلہ یا بہانہ مرزا قادیانی کسی شرط کی بابت پیش کرنا چاہیں تو بالکل لغو ہے، کیونکہ سرکاری طور پر فیصلہ اس کا بروقت بحث ہوسکتا ہے۔ یعنی ہر دو فریق اپنی اپنی شرائط بروقت حاضری سرکاری میں داخل کریں جن شرائط کو سرکاری افسر منظور فرما وے وہی فریقین کو تسلیم کرنی پڑیں گی۔ بعد میں مباحثہ اس طرز سے شروع ہوگا کہ جس کی ایک ایک فرد شامل مثل سرکاری ہوگی اور ایک ایک فرد فریقین کے پاس رہے گی تاکہ کسی کو کمی زیادتی کی گنجائش نہ رہے۔

آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔

المشتہران

مولوی محمد و مولوی عبداللہ و مولوی عبدالعزیز، سکنائے لدھیانہ عفی عنہم مرقوم ۲۹

رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ (فتاویٰ قادریہ صفحہ ۲۰ تا ۲۳)

مرزا غلام احمد قادیانی کا مناظرہ سے فرار

مرزا قادیانی کو جب پتہ چلا کہ علماءِ لدھیانہ نے اس کے مناظرہ کے چیلنج کو قبول کرلیا ہے اور جو شرائط انہوں نے پیش کی ہیں وہ ماننے سے اس کا کفر مزید واضح ہوجاتا ہے، جس میں ایک شرط اس کے مسلمان ہونے کی ہے،

کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ مسیح کے لئے کم از کم مسلمان ہونا ضروری ہے، جبکہ اس کو تقریباً سات سال قبل علماء لدھیانہ دائرہ اسلام سے خارج قرار دے چکے تھے، اور پھر انہی کے فتوے کی تائید میں علماءِ حرمین بھی اسے کافر قرار دے چکے ہیں تو وہ اپنا اسلام کیسے ثابت کرسکے گا۔

تو جب اسلام ہی ثابت نہ ہوا تو مسیح کیسا؟ چنانچہ اس نے مناظرے سے فرار حاصل کرلیا۔ اس کے متعلق مولانا محمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

اس اشتہار کے شائع ہونے سے مرزا قادیانی مثل نمرود فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَر کا مَاصَدَقَ عَلَيْه ہوگیا اور کُل کاروائیاں اس کی هَبَاءً مَنْثُوْرا ہوگئیں۔ عالم حیرت میں آکر اپنے حواریوں کو طلب کیا خصوصًا حکیم نورالدّین جس کو ۶۰ سال کی عمر میں دوازدہ سالہ دختر منشی احمد جان صاحب ساکن لودیانہ کی بذریعہ قادیانی ہاتھ لگی۔

فورًا لاہور سے فریاد رسی کے واسطے طلب کیا، بعد مشورہ یہ امر قرار پایا کہ ان مولویوں سے ہم کسی طرح عہدہ برانہیں ہوسکتے کیونکہ جب بہ تقرری ثالث ایمان میں مباحثہ شروع ہوا تو فتویٰ حرمین جس میں دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا بہ نسبت آپ کے ذکر ہے پیش ہوا، فوراً منصف ہمارے فریق پر ارتداد کا حکم لگا کر فریق ثانی کو فتح یاب کرے گا، جس سے ہمارے کل دعاوی پر پانی پھر جائے گا۔

پھر عیسیٰ موعود ہونے میں کسی طرح گفتگو نہیں کرسکتے کیونکہ بے ایمان کا عیسیٰ ہونا دائرۂ امکان سے خارج ہے۔ القصّہ آپ نے ان مولوی صاحبان کو مخاطب کرنے میں

کمال غلطی کی، البتہ جو اہل علم برخلاف ہرسہ مولویان آپ کو مسلمان جانتے تھے ان کے مخاطب کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان سے صرف عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بحث کرنے کا ہم کو موقع مل سکتا ہے، ایمان کی بحث کا نام بحکم اَلْمَرْءُ یُؤخَذُ بِاِقْرَارِہٖ وہ زبان پر نہیں لا سکتے۔

لہٰذا اب اس سے بہتر اور کوئی مشورہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان مولویوں پر کوئی الزام قائم کر کے گفتگو کرنے سے اعراض ظاہر کریں۔ اگر آپ کی بحث مولوی محمد حسین لاہوری سے مقرر ہو جو آپ کے اسلام کا اقرار کر چکے ہیں تو نہایت مناسب ہے۔ اس عاجز کو تاریخ مقررہ سے چند روز پہلے اطلاع دیں تاکہ بخوبی انتظام کیا جاوے۔

بنابریں قادیانی نے ایک اشتہار یازدہم شوال ۱۳۰۸ھ میں بنام پادریان جاری کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ مسلمان ہمارے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں اس واسطے ہم پادریوں سے بحث کرنے کا اشتہار دیتے ہیں۔

سختی کے برتاؤ سے اطلاق کفر و ارتداد وغیرہ جو ہمارے اشتہار مذکورۃ الصدر میں ہے مراد لیا ہے۔

اکثر عوام بلکہ خاص بھی ایسے الفاظ کے استعمال کرنے کو خلاف تہذیب خیال کرتے ہیں۔ اگر بنظر غور خیال کریں تو ان الفاظ کا مہذب ہونا اظہر من الشّمس وابیّن من الامس ہے۔ کیونکہ خنزیر کو خنزیر کہنا خلاف تہذیب نہیں البتہ جو شخص بکری کو خنزیر کہے یا خنزیر کو بکری قرار دے تو وہ ضرور تہذیب سے خارج ہے۔

چونکہ ہمارا اشتہار مذکورہ خلاف واقع نہیں اور واسطے خیر خواہی عوام کے قادیانی کا حال مثل کتب اسماء الرجال کے ظاہر کر دیا ہے تاکہ عام لوگ گمراہ ہونے سے بچ رہیں، آمین ثم آمین۔ (فتاویٰ قادریہ صفحہ ۲۳-۲۴)

(باقی آئندہ)

حضرت حسین بن علیؓ

مختصر حالات زندگی

پیدائش، نام ونسب:

حضرت حسینؓ کا پورا نام ''حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم'' ہے آپ کی کنیت ''ابوعبداللہ'' ہے اور آپ حضور انورﷺ کے نواسے، حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے بیٹے اور حضرت حسنؓ کے چھوٹے بھائی ہیں حضرت حسینؓ ۵ شعبان ۴ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے پیدائش کے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا گیا اور حضورﷺ نے بکری ذبح فرمائی، ان کے کان میں اذان دی ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن داخل فرمایا اور ان کے لیے دعا فرمائی اور انہیں 'حسین' کے نام سے موسوم فرمایا۔ حضرت حسینؓ کو بہت سے القابات سے لقب کیا گیا جن میں سے مشہور القاب یہ ہیں۔ ''زکی، رشید، طیب، وفی، سید، مبارک، نواسہ رسول، ریحانۃ النبیﷺ''۔

حلیہ مبارک:

حضرت حسینؓ کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ سینہ سے سر تک حضورﷺ کے بہت زیادہ مشابہ تھے جبکہ حضرت حسینؓ میں بھی حضورﷺ کی بہت زیادہ مشابہت پائی جاتی تھی۔ (الاستیعاب)

آپؓ درمیانے قد کے مالک تھے آپ کا قد نہ تو لمبا تھا اور نہ ہی کوتاہ، کشادہ پیشانی والے گھنی داڑھی والے، چوڑے سینے اور بڑے کندھوں کے حامل تھے، آپ کی ہڈیاں مضبوط اور ہاتھ پاؤں قوی تھے بال کالے اور جسم توانا تھا۔ آپ کے رنگ کی سفیدی میں سرخی کی آمیزش تھی اور آپ کی آواز بہت خوبصورت تھی آپ ''وسمہ'' نامی بوٹی کو بطور خضاب کے استعمال کیا کرتے تھے۔

بس ایک جھلک تم کو دیکھا تھا مگر اب تک
آئینے کو حیرت ہے تصویر کو سکتا ہے
اے دل وہ خدا جانے خود کتنے حسیں ہوں گے
جب ان کے تصور کی تصویر بھی یکتا ہے

اخلاق وعادات:

حضرت حسینؓ انتہائی عبادت گزار اور نماز روزے کی کثرت کرنے والے تھے کہا جاتا ہے کہ آپ نے پچیس پیدل کیے۔ (البدایہ والنھایہ، ج:۸،ص:۲۰۷) آپؓ کی سخاوت وفیاضی بھی بے کنار تھی اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

شہادت حسینؓ:

حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ مسلمانوں کے لیے ایک دستور حیات فراہم کرتا ہے اس واقعہ سے حاصل ہونے ولاے فوائد کو اردو کے نامور مصنف ابو الکلام آزاد مرحوم نے مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا ہے،جنہیں اختصاراً نقل کیا جاتا ہے:

۱۔دعوت الٰہی اور حریت کی راہ میں جان قربان کرنا اور ظالم جابر حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرنا۔

۲۔مقابلہ کے لیے قوت وشوکت مادی کا وہ تمام ساز وسامان موجود ہونا ضروری نہیں جو ظالموں کے پاس ہے ایسے موقعوں پر مصلحت اندیشی کے بھیس میں شیطان بھی حملہ کرتا ہے۔

۳۔ظالم کا صاحب عظمت ہونا الٰہی سند نہیں کہ اس کی اطاعت کر لی جائے ظالم خواہ ضعیف ہو خواہ قوی ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہئے ، کیونکہ وہ ظالم ہے اور حق وصداقت ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

۴۔حق وعدالت کی رفاقت کی آزمائشیں زہرہ گداز اور شکیب ربا ہیں قدم قدم پر حفظ جان وناموس اور محبت فرزند وعیال کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں لیکن اسوۂ حسینؓ مومنین مخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔

۵۔نفس کی مرضی کو خدا کی مرضی پر ترجیح دینا چاہئے۔

۶۔جہاد حق میں صبر واستقامت اور اس کی تلقین اس حادثۂ عظیمہ کا سب سے بڑا درس ہے۔(شہید اعظم اور اسوۂ حسین،ص:۲۳)

اولادِ حسینؓ:

حضرت حسینؓ کے چھ بیٹے تھے۔

۱۔علی الاکبر ۲۔علی الاوسط (زین العابدین)

۳۔علی الاصغر ۴۔محمد

۵۔عبداللہ ۶۔جعفر

علی الاکبر تو اپنے والد محترم کے ساتھ شہید کردیئے گے، علی الاوسط جو کہ زین العابدین کے لقب سے مشہور ہیں مقام کربلا میں اپنے والد کے ساتھ موجود تھے لیکن والد محترم کی شہادت کے بعد زین العابدین کو قیدی بنالیا گیا اور پھر مکہ واپس آگئے اور ان کی اولاد و نسل بھی آگے چلی، علی الاصغر اور عبداللہ بھی مقام کربلا میں شہید کردیئے گے جبکہ جعفر بن حسین اپنے والد کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

حضرت حسینؓ کی تین بیٹیاں تھیں، زینب، سکینہ، فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین ورضواعنہ۔

(البدایۃ اوالنھایۃ، ج۸،ص:۱۸۹)

پیدائش حسینؓ

حضرت حسینؓ ۵ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے۔(البدایۃ والنھایۃ کذافی الامام الحسین، ص:۲۲) انہیں ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا حضور ﷺ نے ان کی دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت پڑھی پھر کوئی چیز چبا کر ان کے تالو کو لگادی اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دھن ڈال کر ان کے لئے دعا فرمائی، پھر ان کے سر پر خلوق نامی خوشبو لگائی اور انہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے حوالہ کر دیا پھر ننھے حسینؓ کا سر مونڈا گیا اور بالوں کے وزن کی مقدار چاندی صدقہ کی گئی حضور ﷺ نے ان کا نام رکھا ساتویں روز حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کئے گئے اور ایک مینڈھے کی ران دائی کو عطا کی گئی، پھر بچہ کا ختنہ کیا گیا۔

(الدرر المستطاب ترجمۃ الحسین، کذافی الامام الحسین، ص۲۲)

یہ تو حُسین ہے!

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''جب حسنؓ پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام ''حرب'' رکھا، جب حضور ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟'' میں نے عرض کیا، ''میں نے اس کا نام ''حرب'' رکھا ہے۔'' یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو حسن ہے'' جب حسینؓ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ تشریف لائے بچہ کے نام کے متعلق استفسار فرمایا، میں عرض کیا، ''میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے'' اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ تو حسین ہے''۔

جب تیسرا لڑکا پیدا ہوا تو میں نے اس کا نام بھی حرب رکھا، حضورﷺ تشریف لائے اور بچہ کا نام دریافت کیا تو میں پھر یہی عرض کیا ''میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے'' چنانچہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ تو محسن ہے''۔

پھر فرمایا میں نے ان تینوں بچوں کے نام حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹوں شبر ،شبیر اور مشبر کے ناموں کے مطابق رکھے ہیں، (اخرجہ لا مام احمد رقم الحدیث: ۳۰)

ابن اعرابیؒ حضرت فضلؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ نے حسن اور حسینؓ کے ناموں کو چھپایا ہوا تھا، چنانچہ حضور اقدسﷺ نے اپنے نواسوں کا نام ''حسن'' اور ''حسین'' رکھا۔ (ابونعیم فی الاصابۃ کذافی الامام الحسین، ص: ۲۳)

حضور علیہ السلام کی حضرت حسینؓ سے محبت

حضرت یعلی بن مرۃؓ فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرامؓ اور حضور اقدسﷺ ایک دعوت میں کھانا تناول فرمانے جارہے تھے اس دوران حضرت حسینؓ ایک گلی میں کھیل رہے، حضور اقدسﷺ انہیں دیکھ کر لوگوں سے آگے بڑھ گئے اور اپنی بانہوں کو پھیلا لیا، حضرت حسینؓ (بچپن کی مستی میں آکر) ادھر اُدھر بھاگنے لگے اور حضور اقدسﷺ انہیں ہنسانے اور بہلانے لگے اور بالآخر انہیں پکڑ لیا، پھر اپنا ایک دست مبارک حضرت حسینؓ کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور دوسرا ہاتھ ان کے سر پر رکھا اور پھر آنحضرتﷺ نے حضرت حسینؓ کا بوسہ لیا اور فرمایا، ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جو اس سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے۔''

(رواہ ابن ماجہ، ص: ۱۴۴ مختصر، کنز العمال، ج: ۷، ص: ۱۰۷)

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں ہوتا

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اقرع بن حابس نے رسول اللہﷺ کو دیکھا کہ آپﷺ حضرت حسینؓ کا بوسہ لے رہے ہیں، اس منظر کو دیکھ کر اقرع بن حابس گویا ہوئے، ''میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی کے ساتھ کبھی بھی ایسا نہیں کیا'' (یعنی کبھی کسی بچے کو پیار نہیں کیا) ان کی یہ بات سن کر سرکار دو عالمﷺ نے فرمایا، ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا''۔

لباس و پوشاک اور بناؤ سنگھار کے احکامات

غیر مرد کے لیے بناؤ سنگھار کی ممانعت

محمد بن ابراہیمؒ روایت کرتے ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی ایک باندی نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے عرض کیا: ''میں اپنے کپڑے کے نچلے حصہ (دامن) کو لمبا رکھتی ہوں اور بعض اوقات گندی جگہ پر بھی چلتی ہوں۔'' (لہٰذا میرے کپڑوں کے بارے میں کیا حکم ہے آیا وہ پاک ہیں یا ناپاک؟) حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے

:''(زمین کا) اس کے بعد کا حصہ کپڑے کو پاک کر دے گا۔''

شرح حدیث

امام خطابیؒ ''معالم السنن'' میں فرماتے ہیں:

''امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: حدیث مبارکہ میں بیان کردہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ جگہ (جو گندی تھی) خشک ہو، اگر تر ہو تو بہر حال دھو کر ہی کپڑا پاک ہوگا، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورت کسی ایسی جگہ سے گزرے جہاں کچھ گندگی ہو پھر آگے اس سے زیادہ صاف ستھری جگہ گزری تو کپڑا صاف ہو جائے گا، یہ مطلب نہیں کہ اگر کپڑے کو اچھی خاصی گندگی لگ گئی تو پھر بھی پاک ہو جائے گا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: زمین کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی گندگی کو پاک کرنے والا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی گندی جگہ سے گزرے پھر صاف جگہ سے گزرے تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ البتہ ناپاک چیز جیسے پیشاب وغیرہ کا کپڑے یا جسم کو لگ جانا تو یہ دھونے ہی سے پاک سمجھا جائے گا۔'' امام خطابیؒ کے قول کے مطابق اس پر امت کا اجماع ہے۔

امام زرقانیؒ فرماتے ہیں: بعض علماء حدیث میں آنے والی ''گندی جگہ'' کو تو نجاست پر محمول کیا ہے، اور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ناپاکی خشک زمین سے پاک ہو جائے گی، کیونکہ عورت کا

دامن مرد کے موزے اور جوتے کی طرح ہے۔اس کی تائید ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضورﷺ سے استفسار کیا گیا کہ ہم لوگ مسجد میں آنے کے لیے ناپاک جگہوں سے گزر کر آتے ہیں، ہمارے لیے اس بارے میں کیا حکم ہے؟'' حضورﷺ نے فرمایا:''زمین کا بعض حصہ بعض حصہ کو پاک کر دیتا ہے۔''

ابن عمرؓ فرماتے ہیں، حضورﷺ نے فرمایا:''جو شخص تکبر کے طور پر کپڑے کو کھینچ کر چلے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو رحمت کی نگاہ سے نہ دیکھے گا'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:'' عورتیں اپنے دامنوں کے بارے میں کیا کریں؟''

حضورﷺ نے فرمایا:''وہ ایک بالشت لٹکا لیں'' انہوں نے عرض کیا:''اس طرح تو ان کے پاؤں ظاہر ہو جائیں گے، حضورﷺ نے فرمایا: تو پھر وہ ایک گز ر (شرعی ایک بازو) تک لٹکا لیں، اس سے زیادہ نہ کریں۔''

حضرت امامہؓ فرماتے ہیں''حضورﷺ نے ایک مرتبہ مجھے مصر کی بنی ہوئی ایک عمدہ اور پتلی پاپلین پہنائی جو حضرت دحیہ کلبیؓ نے انہیں ہدیہ کی تھی، میں نے وہ پاپلین اپنی بیوی کو پہننے کے لیے دے دی، حضورﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا:''تو نے وہ پاپلین کیوں نہیں پہنی؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے وہ پاپلین اپنی بیوی کو پہنا دی ہے۔''

حضورﷺ نے فرمایا:''اسے حکم دو کہ وہ اس کے نیچے موٹی بنیان پہن لے، مجھے خوف ہے کہ کہیں اس کی ہڈیوں کی جسامت ظاہر نہ ہو جائے۔''

حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدسﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:''جہنمی لوگوں کے دو گروہ ایسے ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا، وہ ایسے لوگ ہوں گے جن کے پاس گائے کی دم جیسے کوڑے ہوں گے اور ان کے ذریعہ لوگوں کو مارتے ہیں اور ایسی عورتیں جو (اللہ کی نعمتوں کو) اوڑھنے والی ہوں گی، (اس کے شکر سے) عاری ہوں گی، (اللہ کی اطاعت سے) اعراض کرنے والی ہوں گی،

ان کے سر بختی اونٹنیوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے، یہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو سونگھیں گی،

حالانکہ اس کی خوشبو اتنی مسافت سے سونگھی جاسکتی ہے۔''

شرح حدیث

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

یہ حدیث معجزات نبوت میں سے ہے اور یہ دونوں گروہ دنیا پائے گئے، بلکہ اب بھی موجود ہیں اور اس حدیث میں ان دونوں قسم کے لوگوں کی بھرپور مذمت کی گئی ہے، حدیث میں آنے والے جملہ ''اوڑھنے والی اور خالی ہوں گی'' کا ایک مطلب یہ ہے(جو ترجمہ میں ذکر کیا گیا) کہ اللہ کی نعمتوں کو اوڑھنے والی ہوں گی اور شکر سے خالی ہوں گی۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ لباس پہن کر جسم کا بعض حصہ تو چھپا رکھا ہوگا لیکن اپنے جسم کو دکھانے کے لیے بعض حصہ ننگا رکھتی ہوں گی۔تیسرا مطلب یہ ہے کہ اتنا باریک کپڑا پہنیں گی جس سے ان کا جسم صاف نظر آئے گا۔حدیث میں آنے والے لفظ ''اعراض کرنے والی ہوں گی'' کے دو مطلب ہیں

ایک یہ کہ اللہ کی اطاعت سے اعراض کرتی ہوں گی اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی حفاظت ان پر لازم تھی، اس سے اعراض کرتی ہوں گی۔اور''مائل کرتی ہوں گی'' اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو بھی اپنے فعل مذموم کی ترغیب وتعلیم دیتی ہوں گی۔اس جملہ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے کندھوں کو ہلا کر متکبرانہ اور نازو انداز والی چال چلتی ہوں گی

اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ بدکار عورتوں کی طرح کنگھی کریں گی اور دوسری عورتوں کو بھی ایسی کنگھی کرنے کی ترغیب دیں گی۔''ان عورتوں کے سر بختی اونٹنیوں کے کوہان نما ہوں گے''، یعنی وہ پگڑی یا کوئی پٹی باندھ کر سروں کو بڑا ظاہر کریں گی۔

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جو سواریوں کی زینوں پر سوار ہوں گے، اور مسجد کے دروازہ پر آکر اتریں گے، ان کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، اور ان کے سر لاغر بختی اونٹنیوں کے کوہان نما ہوں گے ان پر لعنت کرو کیونکہ ان پر لعنت کی گئی ہے،

اگر تمہارے بعد کوئی امت ہوتی تو تمہاری عورتیں ان کی عورتیں کی خدمت کرتیں جیسے کہ پہلی امتوں کی عورتوں نے تمہاری عورتوں کی خدمت کی۔''

شرح حدیث

شیخ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث بھی ایک ان دیکھے علمی معجزہ پر مشتمل ہے جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی عورتوں کے متعلق نہیں، بلکہ ان عورتوں کے مردوں سے متعلق ہے جو اپنی سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اور مسجد کے دروازہ پر آکر اترتے ہیں اور بلاشبہ یہ سچی خبر ہے......

ہم ہر جمعہ میں مشاہدہ کرتے ہیں جب گاڑیاں مسجدوں کے سامنے اتنی کثرت سے جمع ہوتی ہیں کہ راستہ ان کے اژدحام کی وجہ سے تنگ پڑ جاتا ہے، ان میں سے اکثر لوگ پانچ نمازیں نہیں پڑھتے یا کم از کم مسجد میں نہیں پڑھتے گویا کہ انہوں نے پانچوں نمازوں میں سے صرف جمعہ کی نماز پر ہی قناعت کر لی، اور اسی وجہ سے جمعہ کے دن وہ کثرت سے ظاہر ہوتے ہیں اور مساجد کے دروازہ پر اپنی گاڑیوں سے اترتے ہیں لہٰذا ان کو نمازوں کا ثمرہ نصیب نہیں ہوتا، اور ان کی بیویوں اور بیٹیوں کا یہ حال ہے کہ وہ کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوتی ہیں۔

اس موقع پر ایک اور چیز بھی ہے جس پر حدیث پوری طرح منطبق ہو رہی ہے وہ یہ کہ ہم عملی طور پر اس بات کا مشاہدہ موجودہ زمانہ میں کر رہے ہیں کہ لوگ گاڑیوں میں سوار ہو کر جنازوں کے پیچھے جاتے ہیں ان گاڑیوں پر دینداری سے خالی مال دار لوگ ہوتے ہیں جو سرکشی کرنے والے اور نماز چھوڑنے والے ہیں، گاڑی جس میں جنازہ پڑا ہوتا ہے، جب رکتی ہے اور جنازہ کو نماز کے لیے جنازگاہ میں لے جایا جاتا ہے تو یہ لوگ مسجد کے باہر اپنی گاڑیوں پر کھڑے رہتے ہیں، اور بعض اوقات نیچے اتر کر جنازہ کا انتظار کرتے ہیں تا کہ اس کی قبر میں تدفین تک اس کے پیچھے چلیں یہ ایک اجتماعی نفاق اور بدعملی ہے اور آخرت کی یاد اور فکر سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔''

حضرت عبداللہؓ حضور سے نقل کرتے ہیں: عورت چھپانے کی چیز ہے، جب یہ عیاں ہوتی ہے تو شیطان اس جھانک جھانک کر دیکھتا ہے۔

شرح حدیث

''حضور ﷺ کے ارشاد ''عورت چھپانے کی چیز ہے'' میں عورت کو سراپا ستر قرار دیا گیا ہے، کیونکہ وہ عیاں ہوتی ہے تو اس سے حیا کی جاتی ہے، جیسا کہ ستر سے اس کے ظاہر ہونے پر حیا کی جاتی

ہے۔اور حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ ”جب وہ عورت ظاہر ہوتی ہے تو شیطان اسے جھانک کر دیکھتا ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان عورت کو مردوں کے لیے مزین کر کے پیش کرتا ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس کی طرف دیکھتا ہے تاکہ اس عورت کو بہکائے اور اس کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو بھی گمراہی میں مبتلا کرے۔

بہرحال اس حدیث میں عورت کے عیاں ہونے اور اس کے نکلنے کو قبیح قرار دیا گیا ہے کیونکہ جب وہ نکلتی ہے تو شیطان آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتا ہے تاکہ اسے دوسروں کے ذریعہ گمراہ کرے، اور دوسروں کو اس کے ذریعہ گمراہ کرے تاکہ ان دونوں کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو فتنہ میں مبتلا کرے۔ حدیث کا ایک مطلب یہ بھی لیا گیا ہے کہ شیطان سے مراد فاسق انسان ہے جسے تشبیہ کی بناء پر شیطان کہا گیا ہے۔“

خاوند کے بناؤ سنگھار کی ترغیب

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جب تم میں سے کوئی رات کو (سفر سے واپس) پہنچے تو اپنی بیوی کے پاس رات کے وقت نہ آئے یہاں تک کہ خاوند سے دور رہنے والی زائد بالوں کو صاف کر دے اور پراگندہ بالوں والی عورت کنگھی کر لے۔“

شرح حدیث

امام خطابیؒ ”معالم السنن“ میں فرماتے ہیں:

اس حدیث میں دور دراز کے سفر سے آنے والے شخص کے لیے اس بات کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس رات کے وقت اچانک (بغیر اطلاع) آجائے،

البتہ اگر سفر قریب کا ہو اور بیوی کو اس کے آنے کی امید اور توقع بھی ہو تو پھر اس طرح آنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ کسی بڑے لشکر یا فوج میں تھا اور اس لشکر کی واپسی کی خبر مشہور تھی اور اس کی بیوی اور گھر والوں کو بھی اس کی آمد کی اطلاع تھی تو اب وہ جب چاہے آ سکتا ہے،

اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، کیونکہ اب وہ علت ختم ہو گئی جس کی وجہ سے نہی وارد ہوئی تھی۔“

خوشبو لگا کر باہر نکلنے کی ممانعت

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھیں تو وہ ایسی ہے، وہ ایسی ہے، راوی کہتے ہیں

''حضور ﷺ نے ایسی عورت کے بارے میں بڑی سخت بات فرمائی۔''

حضرت زینب ثقفیہؓ روایت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز میں آنا چاہے تو اس رات کو خوشبو نہ لگائے۔''

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''جب کوئی عورت خوشبو لگائے تو ہمارے ساتھ مسجد میں عشاء کی نماز کے لیے حاضر نہ ہو۔''

مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے ممانعت

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس مرد پر لعنت کی ہے جو عورتوں جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مردوں جیسا لباس پہنے۔''

ستر کی حفاظت کا اہتمام کرنے کی وصیت

حضرت ابوملیح ہذلیؒ فرماتے ہیں: اہل حمص یا اہل شام کی کچھ عورتیں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضرت عائشہؓ نے ان سے فرمایا:

''تم ہی وہ ہو کہ جن کی عورتیں کرائے کے حماموں میں داخل ہوتی ہیں، جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''جب کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر کے علاوہ کسی جگہ کپڑے اتارتی ہے تو وہ اپنے اور اللہ کے درمیان کے پردے کو پھاڑ دیتی ہے۔''

کیا عورتوں کے لیے خوشبو کا استعمال جائز ہے؟

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی بو تیز ہو اور رنگ ہلکا ہو (جیسے گلاب کی خوشبو، مشک عنبر، کافور وغیرہ)

اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو پوشیدہ ہو۔ (جیسے زعفران)

بچوں کے صفحات

توبہ

ایک دفعہ شیخ سعدیؒ کو حصول علم کی غرض سے شیراز سے بغداد کا سفر کرنا پڑا۔اس دور میں ریل گاڑی،موٹر کاریں یا ہوائی جہاز نہیں ہوتے تھے بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کیلئے گھوڑے اونٹ، اور ہاتھی پر سوا ہو کر جانا پڑتا تھا یا جو لوگ غریب ہوتے تھے وہ پیدل ہی سفر کرتے تھے۔شیخ سعدیؒ کے پاس بھی سواری کیلئے کوئی جانور نہ تھا اس لئے پیدل ہی بغداد جارہے تھے۔بغداد،شیراز سے کافی فاصلے پر تھا اور سعدی شیرازیؒ پیدل تھے۔پیدل چلتے ان کا جوتا گھس کر ٹوٹ گیا اور ایسی حالت اختیار کر گیا کہ سعدیؒ کیلئے اُجوتے کو پاؤں میں پہننا ممکن نہ رہا چنانچہ وہ ننگے پاؤں چلنے لگے۔سفر ابھی بہت باقی تھا۔ ننگے پاؤں چلتے چلتے سعدی کے پاؤں زخمی ہوگئے ۔پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور پھر چلنے سے وہ چالے پھٹنے لگے اور تکلیف بڑھنے لگی، یہاں تک کہ شیخ سعدیؒ تکلیف کی شدت سے کراہنے لگے اب ان کیلئے مزید چلنا دشوار ہوگیا وہ ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے گلہ کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اگر تونے مجھے رقم دی ہوتی ، میرے پاس پیسے ہوتے تو میں یوں پیدل سفرہ کرتا، نہ ہی میرا جوتا ٹوٹتا، نہ ہی میرے پاؤں زخمی ہوتے اور نہ مجھے یہ تکلیف برداشت کرنا پڑتی۔ابھی شیخ سعدیؒ یہی سوچ رہے تھا کہ اُنہیں ایک معذور شخص دکھائی دیا جس کے دونوں پاؤں سرے سے تھے ہی نہیں اور وہ کھڑا بھی نہیں ہوسکتا تھا، پھر بھی وہ اپنے دھڑ کی مدد سے زمین پر بیٹھ کر خود کو گھسیٹ کر چل رہا تھا۔سعدیؒ نے جب یہ منظر دیکھا تو خدا تعالیٰ سے معافی مانگی اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میرے دونوں پاؤں سلامت ہیں، میں کھڑا بھی ہوسکتا ہوں، چل بھی سکتا ہوں۔

کیا ہوا جو میرے پاس رقم نہیں، سواری کا جانور نہیں یا جوتے نہیں۔اے اللہ تعالیٰ ! تیرا لاکھ لاکھ شکر میرے دونوں پاؤں سلامت ہیں۔اس خیال کے ساتھ ہی سعدیؒ نے دوبارہ اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔

احساس

یہ خواجہ نظام الملک طوسی کا واقعہ ہے جو اپنی رحمدلی، ہمدردی، پرہیزگاری اور انصاف پسندی کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد میں کوتاہی کو کسی صورت معاف نہیں کریں گے۔ وہ خود بھی یہی کوشش کرتے تھے کہ ان کی ذات سے کسی دوسرے مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

خواجہ نظام الملک طوسی کی یہ عادت تھی کہ کھانے پینے کی جو چیز ان کے سامنے آتی اُسے وہ خود کھانے سے پہلے اپنی محفل میں موجود تمام حاضرین میں تقسیم کرتے اور آخر میں اگر بچ جاتی تو خود کھالیتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک غریب کسان ان کی خدمت میں ایک خربوزہ لے کر آیا۔ خواجہ نظام الملک طوسی نے کسان سے خربوزہ لے کر اُسے کاٹا اور اپنی عادت کے برخلاف تمام حاضرین محفل کو نظر انداز کر کے اس خربوزے کو نہایت رغبت سے کھانے میں مشغول ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سارا خربوزہ خود ہی کھالیا اور خربوزہ لانے والے غریب کسان کو بہت سا انعام واکرام دے کر رخصت کیا۔ نظام الملک طوسی کی محفل میں بیٹھے تمام لوگ اس واقعہ پر حیران تھے کہ اس سے پہلے تو کبھی نظام الملک طوسی نے ایسا نہیں کیا تھا لیکن حاضرین میں سے کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان سے اس کی وجہ دریافت کرتا۔ جب محفل برخاست ہوئی تو خواجہ نظام الملک طوسی کے ایک قریبی دوست سے رہا نہ گیا اور اُس نے پوچھ ہی لیا ''یا خواجہ! آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کھانے کی کوئی چیز آپ کے سامنے آئی ہو اور آپ نے اسے پہلے حاضرین میں تقسیم نہ کیا ہو لیکن آج اس کے برعکس آپ نے خربوزہ کسان سے لیتے ہی اسے بڑی رغبت سے خود ہی کھالیا، حاضرین نے اس بات کو محسوس کیا ہے۔ آخر کیا وجہ تھی؟'' خواجہ نظام الملک نے اپنے اس دوست کو بتایا کہ جب میں نے خربوزہ لوگوں میں تقسیم کرنے کی غرض سے کاٹا تو مجھے محسوس ہوا کہ خربوزہ کڑوا ہے اور جب میں نے اسے چکھا تو خربوزہ واقعی کڑوا نکلا۔ اگر میں وہ کڑوا خربوزہ لوگوں میں تقسیم کر دیتا تو مجھے خدشہ تھا کہ لوگ خربوزے کی تلخی کا اظہار کر دیتے یا اُسے منہ سے اگل دیتے اور اس سے غریب کسان کی دل شکنی ہوتی، کیونکہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا اس لئے میں نے وہ سارا خربوزہ خود ہی کھالیا۔ نظام الملک طوسی کا وہ دوست ان کی بات سے بہت متاثر ہوا۔

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213